

مدراٹڈیا (بھارت ماتا) کا جواب

بھارت پتا

مترجم

ڈاکٹر محمد شریف، اختر ایم۔ ڈی۔ مہر
نوٹ۔ یہ کتاب مدراتڈیا مصنفہ مس کتھراپن میو
جواب میں قادراٹڈیا کے نام سے مسٹر۔ سی۔ ایس
راٹگاؤر کے قلم سے لکھی گئی ہے۔

صرف ٹائٹل بیچ

باہتمام خاکسار ایس۔ ریاض الدین عفاۃ

اللہ اکبر العادۃ بیس لکھنؤ چھاپا گیا

وَهُوَ جَلِيلٌ

بَحَارُ تَنْبِيْہِ



ڈاکٹر محمد شریف احترا ایم۔ ڈی بہار

بفراش

عالم جناب ابو عبد الحمید صاحب فیروز پوری

مطبع کرمی واقع لاہور بامامیہ پورہ

چھپی

التماکس

ناظرین کرام کو واضح ہو کہ بھارت پتا (فادر انڈیا) اصلی انگریزی کتاب پہلی مرتبہ نومبر ۱۹۶۲ء کو انگلینڈ میں شائع ہوئی۔ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کا پہلا ایڈیشن چند دنوں میں فروخت ہو گیا اسی طرح دوسرا اور تیسرا۔ غرضیکہ نومبر کے ایک ماہ میں اس کتاب کے پانچ ایڈیشن پبلک کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ اس پر بھی بس نہ ہوئی۔ اصرار بولبو جاری تھا۔ پانچ ہی پھر دوسرے ماہ میں تیار ہوئے۔ اس طرح صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں دس ایڈیشن ہاتھ فروخت ہو گئے۔ بھارت پتا موجودہ ترجمہ آخری دسویں ایڈیشن کا ہے۔ نامعلوم اس کے بعد بھی کتنے ایڈیشن چھپے ہونگے۔ انگریزی کتاب کا یہ حال ہے انگلستان میں — اردو دان پبلک کے لئے سہی اس کا ترجمہ کسی صورت میں کم نہ ہو گا۔ میرا کام ترجمہ کرنا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ جن نے اردو دان پبلک کی خدمت کو نیکاً موقوفہ دیا۔ جو صلہ افزائی آپ کا فرض ہے اور اس کا پیش کرنا میرا کام۔

گر قبول افتد ہے عز و شرف
خاک محمد شریف باحتی۔ ایم۔ ڈی۔ ہو میو فیروز پور

دیباچہ بھارت پتا

ہندوستان ایک ایسی سرزمین ہے جو زحیر جنت نشاں ہوئے کے باعث
 بر قوم و ہر فرقہ اور ہر ملک کے آدمیوں کے قدم چومنے کیلئے ہر وقت تیار رہتی ہے
 اور پھر اس زمین پر تیزی حکومت ہو کے ہونیکے سبب ہر ملک کے باشندے نہایت
 آسانی سے آجا سکتے ہیں ابتدائی سے ہر ملک کی جڑیں نکالیں ہندوستان
 کی جانب بے طرح لگی ہوئی ہیں۔ اور اب اگر کوئی دوسرا ملک اسے پاہنیں سکتا۔
 تو کم از کم اس ملک کے باشندے ہندوستان میں ضرور لایجئے سبب
 آجاتے ہیں۔ ہندوستان آپ فقیروں کا ہے مگر اسکی حیت اس بات کو گواہ نہیں
 کرتی کہ میری زمین کی حدود میں کوئی غیر شخص نکلے رہے۔ اور یہی وجہ
 ہے کہ آج کل ہندوستان اپنا گھر بنانے کی بجائے دوسروں کے گھر بھرتا
 رہا ہے۔ جسطرح آدمی آدمی اور حیوان کی خاصیت میں فرق ہے اسطرح
 ملک ملک کی بھی خاصیت جدا جدا ہے اور ہندوستان کا تو بس یہی خاصہ
 ہے کہ دوسروں کے گھر بھرتا رہے۔ یہی اسکی عادت اور یہی اسکی سرشت
 میں داخل ہے۔ آپ پاہے اسے ہر حالت میں کمزور نہیں بلکہ کچھ اور اسکی
 مثال بعینہ مانند اس ہٹے ہٹے فقیروں کی ہے۔ جو کسی امیر کے پاس جا کر ہاتھ
 پھیلاتا ہے۔ اور امیر اس پر پیوال نہیں کرتا۔ کہ تو تو بڑا ثناء دار ہے۔ جا اور جا کر
 مزدوری کر۔ بلکہ برعکس اس کے وہ رحم کھا کر کہ شاید کوئی مصیبت کا مارا مانگنے پر مجبور
 ہے۔ اسکو کچھ بطور خیرات کے دیتا ہے۔ اب حیرت نیک اور فقیر سی اور نگہ جا کر

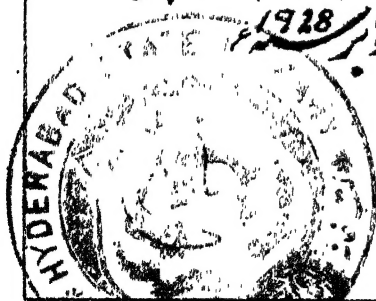
اپنے دل میں یہ کہے۔ کہ خیرات دہندہ کس قدر بیوقوف ہے تو یہ درست نہیں
 کیونکہ یہ فقیر کا بھینپن اور امیر کی دھیلی ہے۔ کہ اس نے رحم ٹھاکرا اسکو کچھ دیدیا
 اور اب فقیر اپنے ٹکروں پر بے زیر اثر اسکو بیوقوف بنا دیا ہے۔ اسی طرح
 اگر دوسری قوم اب اگر اس بات پر فخر کریں۔ کہ ہندوستان بیوقوف
 ہے۔ اور ہم نیلے اسکوا پیسے قبضہ میں کر رکھا ہے تو شاید یہ درست نہیں
 کیونکہ مانند اس امیر کے ہندوستان فطرتی طور پر دوسروں کی پرورش
 کرنا لایا ہیڈ ہوا ہے اسنے بجا ہے اسکے کہ دیگر قوم شکور ہوں اگر ہندوستان
 پر مختلف قسم کے آوازے کسے جائیں تو یہ کس قدر بری بات ہے ہندوستان
 نے کبھی کسی ملک کے برخلاف زیر نہیں اگلا۔ پھر اگر کوئی حق بات کہے تو
 انسان سن سکتا ہے۔ مگر غلط سننے کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ ہندوستان
 میں رہ کر اسکا ملک پانی پھالی کرکس میو نے ہندوستان کے
 برخلاف اپنی کتاب مدر انڈیا (مادر ہند) میں زیر اگلا ہے۔ اور خوب جی
 بھر کر غلط بیانی سے کام لیا (میلن باتوں کی بات لکھتا ہوں جو سبھی -
 نقطہ نگاہ سے باہر ہیں۔ اور جن کا لازم ہندو مسلم ہر دو اقوام پر پڑتا ہے) اسکے
 یہ سب ہوئے کہ آئے ہندوستان سے نہایت بے وفائی کا سلوک کیا
 جو ہرگز نہ بچا ہے تھا۔ کاشن مس موصوف کتاب لکھنے سے قبل اپنے
 ملک امریکہ کی حالت کو اگر غور سے ملاحظہ فرمائی تو شاید ایسا نہ کہہ سکتی
 مگر افسوس دیدہ دانستہ اس نے یہ ایک کام کیا۔ جو ہندوستانی کی نظروں
 میں ایک نہایت بے وفائی ہے سٹر سی ایس رائگا آئیر نے جو جواب
 اپنی کتاب فاؤر انڈیا (مہارت پتا) میں دیا ہے وہ قریباً درست ہے۔

حاصل مصنف نے نہایت تسات اور سنجیدگی سے جواب دیا ہے اور کسی جگہ بھی
 اس موصوف کی طرح تہذیب کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ حالانکہ جواب
 عوام کے خیال میں نہایت برے الفاظ میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر ایک مہذب
 انسان کی طبیعت اس بات کو گوارا نہیں کرتی اور وہ کسی حالت میں بھی
 تہذیب کی حد و سے مایہ نہیں ہوتا۔ یہ کتاب بھارت نے افاغسل موصوف
 کی اصلی انگریزی کتاب اور انہ کا سلیس ترجمہ سے اصلی کتاب میں
 انہوں نے الفاظ کو برنگینی کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ واقعات کو غلط ثابت
 کر نیکے لئے صاف الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے اور میں بھی اس بات
 کو مد نظر رکھتے ہو شاید مضمون کو رنگین نہ بنا سکوں۔ مگر اصل کتاب
 کا یہ حالت میں ترجمہ درست ہو گا۔ اگر ہر ایک میں اصحاب کی نگاہیں
 بھارت پر کسی جگہ کوئی غامی دیکھیں تو سبہ کو مطلع فرما دیں۔
 آئینہ آیدیشن میں تصحیح کر دیا جائیگی۔ -

فقط

محترمہ شریف اختر ایم دی بی بی فیروز چھاؤنی

مؤرخہ یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء



کھار تپتا

باب اول

آہسام

ایک شاعر کا قول ہے کہ شہمت نوار کی دھار سے تیرا وزونک زہر بے جانور کے زہر سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ جو انسان کی جسم و جان کو تباہ کر دینے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ ایسے کس قدر ظالم ہستی وہ ہے جو شہمت جیسی ناپاک وزہر بلی سے کو کام میں لائے۔ یہ بلی چیز ہے جس کا دل غم تا قیامت دامن سے نہیں چھوٹتا اور ابد لایاؤ تک ساتھ جاتا ہے۔ آہ کاشش ایسے انسان دنیا سے ناپید نہ ہوتے کہ جس کی تنہا ہستی دوسرے کروڑوں انسانوں کے لئے زہر کا شر رکھتی ہے تو ارکا زہم مستدل ہو کر بے نشان ہو سکتا ہے۔ گرزبان اور تھریر اور بھیر۔ یہ کار خیم ایک ایرافظ ناک زہر بلا زخم ہے جب کا اندمال ناممکن ہے ۛ

دو مختلف مغربی ممالک سے ہندوستان میں دو سیاح آئے۔ جن جن سے ایک امیر مکرہ عورت امریکہ سے جس کی آنکھوں پر شہد اور غمور کی عینک چڑھی ہوئی تھی جو عمر ایک انگلستان کا مسلمی معنوں میں نویت یافتہ انگریز جو حقیقت میں انسان تھا آیا اور ان دونوں نے ہندوستان کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کتابی صورت میں یہ انگریز نے جو بچے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے اس میں کسی کو کلام نہیں۔ اس کتاب میں یہ موصوف کے خیالات کی بلند پروازی

واقعات کا صحیح ہونا بالکل منسایا ہے خاص سے غراب باتوں کو غراب طریقہ پر تحریر کر رکھنے کی بجائے ایسی طرز اختیار کی ہے کہ سمجھدار انسان سمجھ جائے مگر برائے ماٹھے سو دنیا میں ایسے انسان بہت کم ہیں جن کے الفاظ کسی جاندار کے لئے بھی باعث تکلیف نہ ہوں۔

دوسری طرف امریکن عورت ہے۔ جس نے اپنی کتاب کا نام مادرِ مہنت رکھا ہے جس میں اسے قومی نفرت انگیز خوب دکھائی ہے۔ کیونکہ اسکی پرورش ہی ایسے ماحول میں ہوئی ہے۔ یہ کتاب ہندوستانیوں کیلئے غیر خوشتر سے کہیں بڑھکر ہے۔ جس میں کہ مصنف نے ہندوستانیوں کے بے عطفانہ خوب زہرا گل ہے کیونکہ انسان ایسی فطرت سے مجبور ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ اگلے زمانہ میں نیویارک میں تہمت لگائی جائے کہ تہمت سزا دی جاتی تھی۔ ایک بات مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو جیگا نام جان آدم زن تھا صرف ایک ذی اثر وادوار شخصیت پر تہمت لگانے کے الزام میں زبان کاٹ کر اور لوہا منسا کر اس پر داغ لگا کر شہر بدر کرنے کی سزا دی گئی تھی اور موجودہ زمانہ میں بھی اتہام لگانے والے کیلئے سخت سزا ہے۔

مادرِ مہنت کی امریکن مصنفہ مس میو ہے۔ کیونکہ یہ کتاب تقریباً سب کی سب غلط بیانی پر مشتمل ہے اسلئے لکھا گیا ہے کہ خود اس کے ملک امریکہ میں اس کتاب کو جلادیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کا واحد مہنت ہے ورلڈس مس موصوف ہندوستان میں صرف اس عرض سے تشریف لائیں تھیں کہ ایک ایسی موثر کتاب لکھی جائے جو چشتی پہلو لئے جوئے ہو

اور جو شخص در مشہور و ہر دلیز ہو۔ کہ جس سے جس صاحبہ ذیہ میں مشہور
 ہو جائیں وہ اصل کو آب کی بنیاد پر مشہور ہی کا قیض تھا جو جس صاحبہ کے
 سر پر بہت بری طرح سوار تھا۔ انسان کو چاہئے کہ خطرناک و آفات کو اس قدر
 پرستاش و درشتند سے بچے میں لکھی اور ادا کیا جائے۔ کہ جس سے دوسرے
 انسانوں کے دل نہ دکھیں اگر زمانہ کو ایک ایسا کام کرنا درکار تھا اس کے لئے
 عورت بہتر تھی۔ اور وہ جو جس میں یو جی جو بجائے برف کے آگ برسا گئے
 خیر نکھنے وقت میں موصوف کو کون روک سکتا تھا۔ مگر اس اتنا ضرور ہے
 کہ اس نے اپنا پارٹ نہایت عمدگی سے ادا کیا ہے اس کے علاوہ اب
 ہر قوم اور ملک کو آگاہ رہنا چاہئے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ جس طرح اس نے
 ہندوستان پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ اس طرح کسی دوسرے پر بھی
 نزہ نہ کرے۔

مادر ہند میں جس موصوف لیگ آف نیشن کو مخاطب کر کے یہ کہہ
 رہی ہیں کہ اب ہندوستان سے ایسا سلوک کیا جائے جیسا کہ ہندوستانی
 پنج قوموں سے کرتے ہیں۔ اور دوسری جانب تمام ممالک کو مخاطب
 کیا جاتا ہے۔ کہ تمام مہذب ممالک ہندوستان کی قبیلج بہاریوں سے
 بچیں۔ کیونکہ ہندوستان ہزار قسم کے امراض کا گنجینہ اور غلاظت
 کا دھن ہے۔ اور سعدی امراض مثلاً ہیضہ وغیرہ کا گھر۔ ۱۸۹۹ء میں جنکو بجا
 متحہ آگرہ وادوہ میں بیضہ کی وبا پھیلی تو جس موصوف کو خوف
 پیدا ہو گیا کہ ایسا نہ ہو کہ ہندوستان اجسام کے ذریعہ وبا یورپ میں
 پھیل جائے۔ اس لئے لکھتی ہیں کہینو کہ سفر کی رفتار اب پہلے کی نسبت

زیادہ تیز ہے اور اسلئے دوران و بار میں خطرہ بھی بہت ہے بنگال
 و تیا کی خراب ترین جگہ ہے کیونکہ یہاں پر و شبت و خوف پولٹیکس
 اور ہفتہ بہت ہے۔ یہ کوئی اہم چیزیں نہیں کہ جن پر کوئی مرقول
 اڑ سکے۔ کیونکہ یہ بہت سی منطبیائی پر مبنی ہے۔ اب امریکن مصنف
 اپنا خیال متاسلی امراض کے ہتالوں کے متعلق خط ہر فرماتی ہیں
 اور اسکے متعلق مواد ہم پہنچانے کے وقت کو لوں مخاطب کرتی ہے
 میں ہندوستان میں لگی اور دیکھا کہ ہر ہندوستانی ۱۲ چھبیس سال
 کے بعد بالکل ماردو جاتا ہے۔ اور کسی مرد کو آتشک اور کسی عورت کو
 سوزاک یا اسکے برعکس کسی عورت کو آتشک اور مرد کو سوزاک ہے
 اور کسی کو سرد و امراض کے گھیر رکھا ہے۔

ہندوستان کی آبادی تمام دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے
 اور قابل امریکن مصنفہ ایک تقریباً پانچ لاکھ فیصلوں میں پھری
 پر اسے انگریز آفیسر جو ہندوستان کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں
 اور تقریب کرے ہیں اس بات کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ
 مسیحیائے خیالات کے برعکس اظہار کرتی ہے چند ایک تاسلی
 امراض کے ہتالوں کا معائنہ کرنے سے کسی درمیں صاحبہ تمام
 ہندوستانیوں کو ایک ہی تہمت کے رشتہ میں جکڑنا چاہتی ہے
 اور اپنے خیالات کا اظہار نہایت دلیری سے مذکورہ بالا الفاظ میں
 کرتی ہے۔ کاشش استقدر بری تہمت لگانے سے قبل اگر مسیحی
 اپنے ہی وطن کے بنویارک شہر کا گوادر میں نر اسکو کے تاسلی

امراض کے ہینٹا تو کھانا ملاحظہ فرمائیں تو ہرگز یہ بات لکھنے پر آمادہ نہ
ہوتیں۔ جہاں کی حالت دیکھنے سے رونما آتا ہے۔ مگر ایسا کیوں
ہوتا ہے تو ہندوستان اور غریب ہندوستان کی بُرائی منظور
تھی اور صاحب کے چہان میں تشہیر کرنا مقصود تھا۔

سرس میوا اپنے آپ کو نہایت ہوشیار عورت ثابت کرتی ہے اور
اس کتاب سے اس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ ہندوستان آنندادی
کے قابل نہیں اور یہی ایک جذبہ ہے جو اس سے اس قسم کی باتیں
کر رہا ہے جھوٹ سچ کھڑکرا سکا منشا یہی ہے کہ ہندوستان کی
آنندادی کو ضرب پہنچانی جائے

مشربر کی اس بات پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ کیا کوئی شخص شام
قوم کو تہمت لگا سکتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ مگر افسوس کہ وہ تو
اٹھارویں صدی کا ہم جانوی شخص تھا مگر بس میو موجود زمانہ اور
انیسویں صدی کی عورت ہے جو ان شام پیور سے آزاد ہے۔

مس صاحبہ کی ہوشیاری اس بات سے صاف عیاں ہے کہ صرف
چند ہستیوں کا معائنہ کر نیکے بعد غام قوم اور ملک کا اندازہ لگایا کہ
تمام ملک ان امراض میں مبتلا ہے دوسری جانب دیکھئے کہ آپ
کہتی ہیں کہ میں قریباً پانچ لاکھ گاؤں اور قصبوں اور شہروں میں پھری
اور یہی ہوں۔ جب جا کر میں نے یہ بات معروضِ تحریر میں لائی ہے آپ
اندازہ لگائیں کہ ہندوستان میں اگر وہ ۵۰۰۰۰ گاؤں ہیں اگر نہ لی قصبہ
گاؤں یا شہر کیلئے ایک دن قرار دے لیا جاوے کہ جس صاحب ایک

گاؤں میں صرف ایک ہی دن رہی ہیں۔ تو خیال فرماویں کہ پانچ لاکھ
 دنوں کے کتنے سال ہوتے ہیں۔ فرض کر لیتے کہ اس مرتین عورت کی
 وسط عمر ستر سال ہے اور اس کے علاوہ وہ ایک سو سال اور زندہ
 رہ کر سابقہ اور آئندہ اکیسویں صدی کی عمر میں سے سب سے
 زیادہ عمر یا گئی۔ اور سابقہ تمام لمبی عمر والوں کو مات کر گئی اسکے علاوہ
 آپ یہ بھی تھوڑی دیر کیلئے تصور کر لیں۔ کہ مرس صاحبہ کے پاس ایک
 گاڑی سے دوسرے گاؤں تک جا ٹیکیلے موجودہ ہوائی جہاز تھا
 تاکہ وہ ایک گاؤں سے دوسرے تک پہنچے کیلئے جو ایک آدھان
 فصول جاتا ہے۔ وہ بھی بیچ رہا اس صورت میں بھی وہ ایک ستر
 سال کی عمر تک پانچ لاکھ گاؤں ہر گز پھر نہیں سکتی۔ حالانکہ پانچ
 لاکھ دنوں کے قریباً 1370 سال ہوتے ہیں۔ اس سے آپ حضرات
 خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مرس موصوف کا بیان کہا تک درست
 ہے لیکن اسکو کیا جاوے۔ وہ تو گھر سے ہی تمام مضمون کا
 اپنے دل میں مسودہ تیار کر کے کھلی کھلی اور اس مسودہ کے مطابق
 اس نے کتاب تیار کر دی وہ لنڈن کے انڈیا آفس میں گئی
 وہاں جہاں کہ تصویر کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا اور دکھایا جاتا ہے
 کیونکہ لنڈن کے انڈیا آفس میں ہندوستان آنے والے
 صاحبان کو صرف تصویر کا تاریک رنج ہی دکھایا جاتا ہے تاکہ انگیر نری
 امتد ہمیشہ ہندوستان پر ایسی صورت سے ہی قائم رہے
 اور کسی خدا کے بند سے پر صیح اور درست بات کا اظہار نہ ہو جائے

سب موصوف تو خاص اس شخص سے بہت دوستانہ تشریف لانا چاہتی تھیں۔ مگر مقام تعجب ہے کہ وہ انگریزوں کو ہندوستان کو اچھا خیال کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کتاب پر رش سے مس نہیں ہوئے۔ کہ ہمارے رفیق سیاح کی قلم سے کیسی کتاب نکلی ہے۔

باب دوم (امریکن مسئلہ و قسطنطنیہ)

ایرکہ اور انگلستان میں نیگال کی بابت بہت کچھ لکھا جا چکا ہے کیا کذم اور پستول نیگال میں اس کثرت سے ہیں اور اموات کی استعداد زیادتی ہے۔ کہ الامان حکمت کی گلی کو چوں میں موت کا بازدار گرم رہتا ہے اور وحشی انسان۔ ان جیب اسلحہ کو اپنے ساتھ لئے کسی انگریز۔ پولیس آفیسر اور یا کسی شاہ پرست کی جان لینے کیلئے کہیں نہ کہیں چھپے رہتے۔ اور ایک مرتبہ نیگال گورنر کی سپیشل ٹرپ کو تباہ برباد کرنے کی بھی سعی کی گئی۔ اسلئے یہی مناسب تجویز ہوئی کہ ایسی فتنہ انگیز جگہ کی بجائے کسی دوسری جگہ کو ہندوستان کا دارا خلافت بنایا جائے۔ اور والیٹرائے کے رہنے کی جگہ ایسی جگہ سے دور ہونی چاہئے۔ اور یہ سوچ کر حکمت سے دور دہلی کو منتخب کیا گیا اور۔ اس جگہ پر دارا خلافت کی عمرت استوار کی گئی۔ لاڈ کو رزن صاحب اپنی کتاب

گورنمنٹ ہند میں اس فتنہ انگیزیوں کی بابت بہت کچھ افسوس کا شکار ہے۔
 اظہار کر چکے ہیں۔

حکومت اور مہانت گاندھی کے درمیان ٹھٹھ بھیر ہوئی سبب
 کیلئے حکومت کو سخت حربہ کام میں لایا۔ اور سربراہ آدرہ لیٹروں
 کو دلالی مقامات کی جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ رہائی پر مہانت
 گاندھی کے پیروؤں نے اپنے لیڈر کے فرمان کے مطابق
 ہرم کی تکلیف کا جواب نہایت خاموشی کے ساتھ دینا شروع
 کر دیا اور حکومت کے جبر و تعدی کے مقابلے میں بالکل ہاتھ اور زبان
 دراز نہ کی۔ اس سے ہر شخص خود اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ جب
 حکومت کی ہر تعدی و تکلیف کا جواب ہی نہ دیا گیا۔ تو پھر فتنہ کیسے
 بپا ہوا۔ اسکو وہ (حکومت) اسکے دوست اور خدا جانتا ہے۔
 مس میو نہیں کیونکہ اسکی بھلائی اور نیکی کو ہندوستان
 ہی جانتا ہے۔

تمام سابقہ بنگال کے حالات کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ بنگال میں کوئی
 شعور شش وغیرہ نہیں ہوئی۔ اور نیکدل انگریز اعتراف
 کرتے ہیں۔ کہ گریس لکھتی ہیں۔ کہ ایرگن سیاہ (مس میو) نے اپنی
 آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ بنگال کے گلی کوچوں بازاروں اور
 چھوٹے بک شالوں میں تنگ اور چھوٹے سینہ والے جن میں خون
 کی کمی اور منظر بہت کم دور تک کام کر سکتی ہے (بند و سانی طلباء)
 اپنے قومی لباس میں ہوسنی خیال کے رسائے اور پھلت پر

ملادون کیڑے کی طرح پڑھنے میں گزارتے دیکھا ہے۔ ”کیونکہ وہ
 بیٹری کسی قصہ دہیق کے جیل کی کوٹھڑی میں دھکیل دے گئے؟
 نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ جب گورنمنٹ ہند اور بنگال کو کسی پیرنٹ
 یقین ہو جاتا تھا اس وقت بلا تصدیق پڑھی نہیں اپنا کام کرتی
 تھی جس میں رعایت کو بالکل دخل نہ ہوتا تھا۔ اور باوجود ایسی بندشوں
 اور انتظام کے بھی امریکن عورت لکھتی ہے کہ بنگال فتنہ اور شرارت
 سے پر ہے۔ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ رعایا
 پرست ہو یا شاہ پرست کہ تمام ہندوستانی جھوٹے ہیں۔
 اور جو ایسا کرتا ہے۔ وہ گویس میو کا ہمنوا ہے جسکا مذہب یہ ہے۔ کہ
 ہندوستان کی آزادی کو غضب کر نیکے لئے ہر ممکن طریق سے
 ہندوستان کی دیگر ممالک کے سامنے تحقیر کی جائے۔
 ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں نفعت طلب پیدا کرنے
 والوں نے ایک موقع پر اعتراف کیا ہے اسلئے نہیں کہ موقع بالکل
 صاف نہ تھا۔ بلکہ اسلئے کہ نامناسب تھا۔ مقصد یہ نہ تھا۔ کہ بھجوں اور
 دیگر عمائدین کو تیغ نکسا جائے۔ اگر یہی مقصد ہوتا۔ تو انگریزوں کی
 حکومت بنگال پر سے کتب کی چلی گئی ہوتی۔ سچ پوچھئے تو ان کے
 پاس سوا سب پولیس کی نفیشتس اور قانون کے اور کوئی کلاؤ آدھر ہے
 نہیں۔ اور پولیس کیا ہے۔ مس سیو کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ ”اُن کی
 پولیس کی خوبی اور دلیری کار از موقع کی صورت میں پنہاں ہے جس
 نے انکی اکثر جمین بھر جاتی ہیں“ غور کریں کہ جب مرحوم سی آر سوامس

کلکتہ میں شہر میں لارڈ میر کی جگہ اور سو بھاش پوس (آئی۔ سی۔ ایس) نے
 مکر کام شروع جبکہ گاندھی کلکتہ کا انگریز کیٹو آفیسر تھا۔ اس صورت میں پولیس
 سخت عذاب میں ہونی چاہیے تھی، کیونکہ یہ اشخاص معزز تھے۔ اور ان
 کی موجودگی میں پولیس اپنی جیبیں نہ بھر سکتی تھی۔ اور مسٹر سو بھاش پوس
 آخری آدمی ہوتا جو اس صورت میں اپنی جیبیں بھرنے میں کامیاب ہوتا۔
 سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا تعجب ہے۔ کہ وہ پولیس کا ایک حبیب شخص
 ثابت ہوتا ہے؟۔ زرا مہینے مسٹر سو بھاش پوس نے اپنی تمام دولت
 غیر بوناور طلباء کی تعلیم کیلئے وقف کر دی۔ جس پر مس میو کی نکتہ چین۔
 نگاہ نے یہ اعتراض اٹھایا۔ کہ گلیوں میں گناہوں کے کیڑے سارا دن
 روسی خیال کے رسالے پڑھتے رہتے ہیں۔ اگر حقیقتاً وہ روسی خیال
 کی دزدی گردانی کرتے ہوتے۔ اور پبلک میں اپنے خیالات کی وجہ
 سے ایک بغیر سیدہ کر دیتے اور پولیس اس پر کچھ نہ کہتی۔ کیونکہ بقول
 مس میو پولیس تو اپنی جیبیں بھرنے کے موقع کی تلاش میں رہتی ہے۔
 کیا یہ موقع نہ تھا۔ کہ پولیس دل کھول کر روپیہ بٹوالے مسٹر
 سو بھاش پوس کو جس نے غیر بوناور طلباء کی تعلیم کا انتظام کیا
 بغیر جرم معلوم ہوئے جیل میں بھیج دیا گیا۔ سو بھاش پوس جو کہ
 بالکل مست درست اور توانا انسان تھا۔ اور ۲۶ گھنٹوں میں سے ۱۵
 گھنٹے کام کیا کرتا تھا۔ ایک خوشگوار صبح کو سب سے دوستوں
 کے جیل کو ٹھہری میں مقید کر دیا گیا۔ جس سے اسکی عمدہ صحت
 میں متور واقع ہو گیا۔ اور وہ مرہنِ وق نہایت خطرناک گرفتار ہو گیا۔

جیسا کہ آفیشل رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہمارا ہونیکو وجہ سے اسکو
رہا کر دیا گیا۔ سبیل تین ماں کی قید نے اسکی صحت کو برباد کر دیا
اور اس عرصہ میں ہندوستان اور بنگال کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا
اسکے دوسرے ساتھی کو خراب حالت میں نہ سچے ان کو برابر زنداں
کی کوٹھڑی میں قید رکھا گیا۔

ہائی کورٹ کے ججوں کو خفیہ طور پر ہر فرد کی حالت معلوم کرنے کا حکم
ملا۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ کیا حضور شاہ شاہ برطانیہ
ایسا کر سکتے تھے؟ مگر افسوس کہ مس میو پھر بھی ہندوستانی
ججوں کو خراب ہی کہتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنیوں کا گلہ کاٹنے سے باز
رہے تھے۔

ابستائی میٹر میکائی کتاب میں لکھتے ہیں کہ کاشیلین کی ایک
کہادت مشہور ہے کہ زمانہ میں تمام دنیا پانی تھی۔ اور آدمی پانی
مچھلی اور یہ بنگال پر بالکل صادق آتی ہے۔ اور مس میو نے میکالے
کے نقش قدم پر چلکر ہی اسے لکھا ہے کہ بنگال کے آدمی
عورتوں سے بدرجہا کمزور اور از حد بد دل ہیں۔ اور پبلک لیچر اردوں
میں وہ وہ امراض نہاں ہیں۔ جو ہمارے خیال و دہم میں بھی
نہیں آ سکتیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر بنگالی بد دل
ہیں تو وہ پچھلے کے تختہ کو بخوشی کیوں قبول کرنے پر آمتر
آتے ہیں؟ اور وہ کیوں مہیل کے جہنم نشانی کو ٹھہریں ہیں
سکالین برداشت کرنے کو طیار نظر آتے ہیں؟ وہ کیسے منہ

کی تحریک برپا کرتے ہیں۔ کیا یہ بذلی نامردی کی ہی علامات ہیں۔ سس میو لکھتی ہے کہ یہ تختہ کی تحریک کثرت مباشرت کا کا نتیجہ ہے۔ اور تناسلی امراض ان فسادات کا منبع ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ سس میو ڈاکٹر ہے۔ اور اسی لئے اس نے پیر و دنیا پھیلانے کیلئے اس سائنٹیفک شخصیت کا اہل دنیا پر اظہار کیا ہے۔ بانٹنے تختہ کی تحریک کی دنیا کی شخصیت کو اصلی مصنف (سس میو) کے الفاظ میں ہی ظاہر کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اس کی اس بنیاد کی جڑ (یعنی تختہ) تناسلی دیکھیوں میں نہیں ہے۔ ہندوستانی اپنے ملک کی بابت خوب جانتے ہوئے سس میو کی حضرات کو بشر حقاقت دیکھتے ہیں۔ سس میو کے زرا الفاظ ملاحظہ ہوں۔ ہندوستانی لڑکی عام حالات میں بلوغت کے ۹ ماہ بعد ہی ماں کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور یہ عرصہ آٹھ سال پچودہ برس کی عمر کے درمیان کا ہے۔ غرض کہ حال کیا ہے وہ تو غرض و نامردی لڑکی کی عمر سے بڑا ہوتا ہے اور یا اس کے بر خلاف پچاس برس کا رنڈا ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ وہ پہلے پہلے از دو واجی زندگی کا لطف حاصل کرتی ہے۔ خود و سالانہ نہایت درونگ حالت کے ماتحت حاملہ ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اب جو بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ نہایت نحیف و ناتواں اور پھر ایک مشت اشغواں ہوتا ہے۔ روحانی کمزوری اور اکثر زہریلے امراض کا مادہ اس میں موجود ہے۔۔۔۔۔ جسمانی مالیت کا دوا الیہ دنیا میں کیا کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ بچہ نہایت بدول۔ بیمار۔ دماغی۔ اور مرمل۔ لختہ اس قدر کمزور

امدان میں ریشہ بھلا۔ اسے ہاتھ حکومت کی عساکر کو کب ہاتھ
 میں رکھ کر شہال سکتے ہیں "مسٹر سی ایس رائگا آکر جواب سلاطہ
 فرامیں "مگر ایسے کانپتے ہوئے اور بیمار ہاتھ کیسے ہم بازی اور استول
 کا فائز کر سکتے ہیں۔ اور یہی ہاتھ ہیں۔ کہ جنہوں نے (بقول مس میو)
 گورنمنٹ کی راتوں کی نیند اچاٹ کر رکھی ہے اور وائسرا سے سپر آرام
 حرام کر رکھا ہے۔ صبح دشام ہر وقت شاہ پسندوں کے دروں
 پر پولیس کا پہرہ رہتا ہے۔ سلاطہ فرامیں کہ شو مس میو تو مکھی ہے
 کہ کلکتہ کے بازاروں میں شاہ پسندوں اور اعلیٰ آفیسروں کی بان سے
 لینے کو مہیب اسلحہ چھپائے ہوئے انکی قیمتی جان لینے کو چھپے رہتے
 ہیں۔ مگر اب کمزور و ناتواں دکھا کر بندوق و ناموس بنا کر اس بات کا اظہار
 کر رہی ہے کہ ایسے ریشہ زدہ ہاتھ حکومت کی جگہ کیسے سنبھال
 سکتے ہیں۔ مس میو لکھتی ہے "کہ یہ سب کچھ وکیلٹہ روحیت کی۔
 کثرت کا نتیجہ ہے۔ بنگال پولیٹیکل سچینٹی کی آماجگاہ ہے ہندوستان
 میں آمارکشی کا منبع۔ ہم پھینکنے والوں اور قاتلوں کا دارا خلافت۔ بنگال
 ہندوستان میں کثرت مباشرت میں درجہ اول رکھتا ہے کسی
 ملک میں پولیس اور میڈیکل حکام اس عجیب مجرمانہ حیثیت میں ایک
 دوسرے سے متعلق ہو سکتے ہیں۔"

کیا مس میو پولیس کے حکام میں سے ہے؟ نہیں وہ اعتراف کرتی
 ہے کہ وہ ایک امریکن شہری عورت ہے اور بادیار اور ایکدا من کا
 مگر حقیقت میں وہ ایک عجیب عورت ہے۔ اور اس کا نتیجہ بھی نبوت

خود ایک دوسری شے ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اخلاق
سوز کتاب کیوں لکھی۔ گاروہ یہ کہتی ہے کہ میں ایک غیر جانب دار بغیر کسی
دوسری طاقت کے اور بلا مدد کے میں نے کام کیا ہے۔

ہندوستانی اخبارات اس بات پر اظہار تعجب کرتے ہیں کہ جس
ساحبہ ہنایت کھلے الفاظ میں اقرار کرتی ہے۔ مگر دراصل بات یہ ہے کہ نئے
کو بدنام کرنا اور مارنا بہت آسان کام ہے

میسر ایب

خوردیال ماں

ہندوستانی لڑکی اس میں لکھتی ہے (عام حالات میں بلوغت کے
9 ماہ بعد ہی ماں کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور کئی مقامات پر وہ
8 سے 14 سال کے درمیان بالغ ہو جاتی ہے۔ ہر سال تو
آخری حد ہے اور ہر جلد سے جلد 8 سال کی لڑکی بھی بالغ ہو جاتی ہے
اور یہ ایک اوسط کے درجہ سے دور کی ہوئی بات ہے اور اکثر ایسا
نہیں ہوتا۔

میں میں قیدم کرنی ہے کہ ہندوستانی لڑکیوں کی بلوغت کا زمانہ
عموماً 14 سال ہے۔ اور جو اس سے 8 سال کی بلوغت کا لکھا ہے وہ
تو بالکل از سر تریا غلط ہے۔ اور اس کی کچھ حقیقت ہی نہیں۔ میں ماننے کو

تیار ہوں۔ کہ ۱۴ سال کی لڑکیاں ہندوستان میں خورد سال مائیں بن جاتی ہیں۔ مگر عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

بچپن کی شادی ہندوستان کا اصول نہیں ہے ویدوں میں اسکی بابت منع کیا گیا ہے۔ وید ہندوں کی پرانی اور مقدس تحریر ہے۔ جسے عسائیوں کیلئے مقدس کتاب انجیل ہے۔ اسی طرح وید ہندوں کیلئے پاک اور مقدس ہیں۔ میں مینوں نے ایسے ہی مقدس ویدوں میں سے لکھا ہے جیسا کہ اسکایان ہے۔ مگر درحقیقت تمام کتاب میں اسنے ایک لفظ بھی ویدوں سے نقل نہیں کیا۔ جسکو بیچ مانا جائے۔ اسکا اعتراض صاف ہے۔ وہ ہندوں کی پرانی کتابوں کی مقدس تحریر سے ہی انکار کرتی ہے۔ زمانہ ماقبل میں ہندو ایک برہمن تھے۔ اور وہ اب بھی برہمن ہی ہیں۔ اور برہمنی رہینگے۔ یہی اسکی کتاب کا مقصد و منشا ہے۔ زمانہ سلف میں جیسا کہ مغرب کے مایاناز سپوت پر فیدیکس ہوار نے اعتراف کیا ہے۔ کہ ہندوں کی تعلیمی اور اخلاقی حالت اور ترقی کا آفتاب نصف لٹا پر تھا۔ اور وہ نہایت مذہب و بااخلاق واقع ہوئے تھے عورتیں اپنے خاوند خود منتخب کیا کرتی تھیں۔ راجہ نل جو کہ حضرت عیسیٰ سے تقریباً دس ہزار برس پیشتر ہوا ہے اس کے عہد کے واقعات سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ پرانے ہند کی عورتوں کو وہی حقوق ملے ہوئے تھے۔ (عورت جسے چاہے۔ اپنا خاوند منتخب کر سکتی ہے) جو آجکل امریکن عورتوں کو نہیں۔ الامکن جو کہ۔ ایک رزمیہ کتاب ہے اور جس میں رام چندر اور سیتا جی کی شادی کا بھی حال ہے۔ اس بات کی پوری گواہی ہے۔ کہ مذہب اور بااخلاق لڑکیاں اپنے خاوند اپنے ہی پلہ چن کر لیتی تھیں۔ سیتا جو کہ راجہ

جبک کی بیٹی اور نہایت خوبصورت و باعصمت عورت تھی۔ اسکے بہت سے
 شہزادے خواہشمند تھے مگر اس نے کسی کو قبول نہ کیا۔ اس نے کئے کہ
 وہ جانتی تھی کہ جو شخص کھانا چاہے چڑھا دے گا اس سے میں شادی کر دوں گی۔ بہت
 شہزادے اور راجکمار زور آزمائی کر چکے تھے۔ آخر راجندر نے چاہی
 نہیں چڑھایا بلکہ چڑھا کر اس قدر تانا کہ کھانا درمیان سے دو ہو کر رہ گئی
 وہ تھکا نہ تیر اندازی کا۔ جبکہ راجندر کے مقابلے میں سب ناکام رہے۔
 اور رام چندر کا میاں ہو گیا اس طرح سے سیتا نے اپنا خاوند خود منتخب کیا
 مذکورہ بالا زمانہ کے سات ہزار سال بعد یعنی تین ہزار قبل مسیح ہندوستان
 کے رسم و رواج میں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اور عورتوں کو پہلے سے
 بھی زیادہ آزادی ملتی ہے۔ اور پوشیدہ شادیوں کا کم و بیش
 رواج ہوتا ہے۔ ار جن جو کہ مہا بھارت کا ایک زبردست ہیرو ہے وہ
 کرشنا کی ہمیشہ کے ساتھ فرار ہو گیا۔ اور پوشیدہ طور پر شادی
 کر لی۔ کنتی (پانڈو کی والدہ) کا ایک لڑکا شادی سے پہلے تھا
 جو کہ بعد میں راجہ کرن کے نام سے مشہور ہوا۔ اور وہ اسی
 لالعلی میں رہا۔ کہ وہ کس کا بیٹا ہے۔

اسکے بعد ایک اور زمانہ آیا جسکے مردوں نے عورتوں کی آزادی کو کم کرنا
 چاہا۔ اور آریاؤں کی آزادی سلب کر لی۔ مسلمانوں کی آمد نے عورتوں
 کی آزادی کو ایک حد مقرر کر دی۔ اس انیسویں صدی میں رشی
 ویانند صاحب مانند ایک سیما کے پٹھان آئے۔ اور انہوں نے
 سابقہ اور گزشتہ آزادی کو جو کہ اس سے قبل عورتوں کو ملی ہوئی

حقی۔ دوبارہ گزشتہ زمانہ کی طرح عطا کی۔ اور اس بات کے لئے پُر زور
 جدوجہد سے کام لیا۔ کہ اس طرح پھر آزادی دجائے جیسا کہ آج
 سے نو دس ہزار برس پیشتر تھی۔ رشتی صاحب ایک سنسکرت کے
 عالم تھے کوئی دُ علم کے حامل نہ تھے ہر بیماری تھے اور بچپن
 کی شادی کے تحت مخالف۔ اب بھی آریہ سماج دس اور گیارہ
 برس کی شادی کو عموماً ترجیح نہیں دیتے۔ انہوں نے ہندوستان
 کی آبادی کا دسواں حصہ اس جدوجہد کے لئے مخصوص کر رکھا ہے
 ہمیں بھی اس بات کا خاص ہونا چاہیے اور خیال کرتے ہیں کہ راجہ
 رام موہن رائے اور کیشاب چندر مہین کے پیرو ہر گز بچپن میں
 شادی نہیں کرتے۔ گرو نانک صاحب کے پیرو کھ صاحبان میں بھی
 سترہ اور بیس برس کی عمر میں عموماً شادی ہوتی ہے جبکہ
 کے تمام قوموں کے بالکل اصل اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ صرف مدراس
 پریذیڈنسی کے برہمنوں میں بچپن کی اکثر شادی ہوتی ہے۔ صرف
 میس میو مدراس کی مجلس قانونی سائنس کو ہی اس رسم بد بجای
 رکھنے کے عوض میں قابل الزام خیال کرتی ہے۔ اور جنہیں میس
 صاحبہ مطعون کرتی ہے وہ اصل میں برہمن نہیں۔ تمام برہمن
 بچپن میں شادی نہیں کرتے اور اگر ہیں تو وہ احاطہ مادہ اس ہی
 کے برہمن ہیں۔ اس ظالمانہ رسم کی بھگتی کے لئے رائٹ انریبل سیری
 نو اس شاستری نے اس معاملہ کو امپیریل کانفرنس لندن
 میں پیش کیا جس کو تیرہ ماہ بعد دس سال کا گزر چکا ہے اور اس

بات پر زور دیا۔ کہ بچپن کی شادی کا افساد ہونا ضرور ہے۔
 بلوغت سے قبل شادیاں صرف برہمنوں میں ہوتی ہیں۔ دیکھنا یہ
 ضروری ہے کہ یہ شادیاں کیا ہیں لڑکی عمودس اور تیرہ کے مہمان
 ہوتی ہے اور لڑکا سولہ اور بیس۔ کے درمیان اور شادی کی
 رسوم لڑکی والے کے گھر میں ہوتی ہے جہاں کے بہت سے اسکے
 احباب اور مہمان اور عورتیں موجود ہوتی ہیں اور ایسی تقریبوں میں
 عورتیں خاص طور پر حصہ لیتی ہیں اور ویدوں کے بہت سے شکوں
 پڑھے جاتے ہیں۔ لڑکا اور لڑکی (اولہا دلہن) ایک دوسرے کا ہاتھ
 تھامے ہوئے مقدس آگ کے گرد چکر لگاتے ہیں اور عوام کے سامنے
 ایک دوسرے سے اقرار کرنے میں کہ ہماری صحبت تنگ دستی و
 فارع البالی غرضیکہ ہر حالت میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار
 رہیں۔ حتیٰ کہ موت جدا کر دے۔ اسکے بعد لڑکا اپنے گھر چلا جاتا
 ہے اور لڑکی اپنے گھر رہتی ہے۔ اسکے بعد دوسری تقریب
 لڑکے کے گھر میں ہوتی ہے۔ مگر دلہن اس سے نہیں ملتی مگر جاتی
 ضرور ہے۔ مگر اپنے عزیزوں کے ہمراہ پھر گھر واپس آ جاتی ہے
 پھر جب دلہن بالغ ہو جاتی ہے تو تیسری تقریب ہوتی ہے زنا
 تلف میں بعد داستان میں شادی کی رسم تھی وہ بالکل موجودہ مہندہ
 مسلک کی طرح کی تھی مگر بالکل ایسی نہ تھی جیسی کہ آجکل ہے
 یہ قابل غور بات ہے کہ بچپن کی شادی کا عروج صرف برہمنوں میں
 ہے اور وہ بھی صرف اعلیٰ درجہ کے برہمنوں میں جو کہ ہزاروں

اس قدر اصرار کرتی اور خواہشمند نظر آتی ہیں جیسا کہ لڑکے اُن کیلئے بلیک و برقرار لڑکیاں ان کی تلاش و جستجو میں رہتی ہیں تاکہ وہ ان کے ساتھ ملکر وہانی خط حاصل کریں۔

امریکن لڑکیوں کی مسموں کو تقسیم کرتے ہوئے اب اس قسم کی بات لکھا جاتا ہے۔ جو کہ اتنی ہی جلدی بالغ ہوتی ہے جتنی کہ ہندوستانی لڑکیاں جسکی بابت مس میونس نے اپنے گورنار فلم سے مدراٹڈیا میں تحریر کیا ہے ”جن لڑکیوں میں خواہش نفسانی کی تحریک شروع ہوتی ہے انکے قلوب ابھی اس قدر قوی نہیں ہوئے کہ اس اُٹھتے ہوئے جوش جو آئی پر قابو پاسکیں“ فاضل حج ایک مقام پر اس طرح لکھتا ہے کہ لڑکیوں کی اور بھی قسم ہے۔ جو نفسانی خواہشات کو زیادہ نہیں پورا کرتی مگر وہ لڑکوں سے اس بات پر رضامند ضرور ہو جاتی ہے۔ اور اجازت دیتی ہے کہ آواز ادا کی صرف محبت ہی کی جائے اور اس کے ساتھ ترقص ضرور کیا جائے اور اس بات کو وہ ایک عنایت اور کرم خیال کرتی ہے۔ یہ لڑکیاں طبقہ ادنیٰ سے نہیں ہیں۔ فاضل حج لکھتا ہے کہ جب میرا توقع زیادہ تر طبقہ ادنیٰ اور ہندو دوات مند شخصوں کو ہی ان مخرب ا علاقہ کاموں میں ڈوبا دیکھا ہے۔ یہ لڑکیاں طبقہ ادنیٰ کی اگر بے جا نہ ہو تو جو وہ سے ستر سال کی درمیانی عمر کی تھیں مس میونکہ کہہ سکتی ہے۔ کہ بوس و کنار محبت و پیار کوئی جرم نہیں صرف محبت و پیار اور بوس کنار ہی نہیں بلکہ وہ تو ایک خاص قسم

کے ناچ کی اجازت دیتی ہے جسکی بابت جج لنڈ سے نے ایک خاص پیرائے میں تحریر کیا ہے۔ کہ لڑکیاں لڑکوں کو ایک ناچ کی خاص مشتم شوق سے شریک کرتی ہیں۔

”کیا تم ان سے اس رقص کے طریقے پر غصہ نہیں آتا؟ جج موصوف نے دریافت کیا۔ ”معمولی بات کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟“ مس میو نے اتفاقاً دریافت کیا۔ ”بالکل تو نہیں مگر کچھ لڑکیوں پر اس علیحدہ رقص کا اثر ضرور پڑتا ہے۔“ میں آپکو جو اصل حقیقت ہے وہ بتاتی ہوں“ مس موصوف کہتی گئی۔ ”بہت سی لڑکیاں اس قسم کے ناچ سے کوئی خاص لطف حاصل نہیں کرتی ہیں، ہم ناچ کے علاوہ ہی خطا حاصل کرتی ہیں۔ ہم مجالس میں جاتی ہیں اور ساتھ ان نوجوانوں کو لیجاتی ہیں اسلئے کہ ہم رقص کی شائق ہیں۔ صرف سبب ہے اور بس“

”اور نوجوان..... جج نے اس کے الفاظ کو کاٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ مس صاحبہ نے فوراً جواب میں کہا کہ نوجوان ہماری لائیں دکھائی کیلئے رقص میں شریک ہوتے ہیں۔ (یہ امر کن نوجوان کی غیرت ہے)۔

”کیا ناچ کے دوران میں لائیں دکھاتے ہیں؟“ جج موصوف نے کہا۔

”ہاں رقص کے دوران ہی میں“ جواب کو چاری رہکتے ہوئے کہا۔

”جیسا کہ آپ پر دشمن ہے کہ لڑکی کو اپنے جسم کے نزدیک تر کرتے ہیں۔ جبکہ بعد خواہ وہ اونے ہو یا اعلیٰ بشرطیکہ لڑکی رماند ہو مگر میں نہیں ایسا کرتی“ جج نے کہا کیوں۔ کیوں تم پھر ان کے ساتھ رقص

لڑکیاں ہی کئی بچوں کی ماں ہوتی ہیں۔ نامعلوم باب اپنا کام کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح ریاستہائے متحدہ امریکہ کے شہریوں میں رات دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہندوستانی بچے اُس جرم کے سزا وار نہیں، جو سب کو کہتی ہو بلکہ اُن میں سے شعرائے اعظم جیسے ڈاکٹر ٹیگور۔ خداسیدہ گاندھی جیسے مشہور قانون دان اور وکیل جیسے مسٹر سبنا اور مسٹر داس۔ تلک اور رابندو جیسے فاضل اور عالم۔ سیواجی اور رنجیت سنگھ جیسے جری بہادر۔ سر جے۔ سی پوس اور سر پی۔ سی رائے جیسے مشہور عالم سائنس دان۔ دیانند جیسے اور دو کاندھ جیسے رشی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کے کارناموں سے سارا یورپ حیران ہے۔ یہ ہیں ہندوستان کے فرزند اور مایہ ناز سپوت جن پر ہندوستان کو بجا طور پر فخر ہے۔ اب فاضل جے لنڈ سے آگے چل کر امریکن نو رسال ماں کی بابت جو کہ ابھی زمانہ طالب علمی ہی میں حاملہ ہوتی ہے۔ یوں تو فرماتے ہیں۔

میرے پاس اس وقت کچھ ایسی امثال بھی موجود ہیں۔ جنکی جنسی خطا کاریوں کا ابھی تک کسی کو علم ہی نہیں ہوا۔ اور وہ ابھی تک گرفت سے آزاد ہیں۔ مثال کے طور پر 493 ہائی سکول کی عمر والی لڑکیاں (یہ سب کی سب ہائی سکول لڑکیاں طلباء نہ تھیں) میرے پاس آئیں۔ اور اس بات کا اظہار کیا۔ کہ مدت سے انہیں نوجوان لڑکوں سے محبت کرنے اور جنسی تجربات کرینکا موقع ملتا رہا ہے۔ اور وہ طرفین کے خط سے لذت اندوز ہو چکی ہیں۔ ان تمام لڑکیوں میں سے 25 حاملہ تھیں۔ گویا یہ قریباً 5 فیصدی اور بیشمار اور ایک کی نسبت سے حاملہ ہوئیں۔ بقایا لڑکیوں میں سے کچھ تو اپنی خوبے قسمت سے حاملہ نہ ہوئیں۔ اور کچھ لڑکیوں نے حمل کو کسی غیر قدرتی طریق پر بخارج کر کرادیا۔ اور یہ قریباً عام بات ہے۔

اب بات یہ ہے کہ وہ ۵۵ لڑکیوں میں تین چوتھائی لڑکیاں میرے پاس صرف اپنی مرضی سے آئیں۔ ان میں سے کچھ تو حاملہ تھیں۔ اور کچھ بیمار۔ کچھ نامرد اور بے ایمان اور کچھ کسی روئے اور مناسب تجویز کیلئے وغیرہ وغیرہ دیگر وہ چیز جو اکثر انہیں میرے پاس لایا کرتی تھی۔ وہ کوئی شکوئی تشدد یا اور فوری ضرورت تھی۔ اور وہ لڑکیاں میرے پاس صرف کسی خاص قسم کی امداد کیلئے آتی تھیں۔ کیا ان کو وہ ضرورت اس سے بہتر معلوم نہ ہوتی تھی۔ امداد کی طالب لڑکیوں کے علاوہ اور بہت بڑی تعداد میں ایسی لڑکیاں ہیں۔ جنہیں میرے پاس آنی کی ضرورت نہیں۔ اور نہ کوئی رائے ہی لینا چاہتی ہیں خواہ وہ ایسی نکالیف میں مبتلا ہی ہوں۔

دوسرے الفاظ میں مختلف طبقہ انات کی لڑکیاں جو میرے پاس آئیں انہی تعداد وہ ۵۵ کے قریب تھی۔ اور اس میں قریباً دو سال کا عرصہ صرف ہوا میری ذاتی رائے ہے۔ کہ لڑکیاں میرے پاس انہی حالت میں امداد کیلئے آئیں۔ جبکہ وہ حاملہ تھیں یا کسی اور جہلک مرض کے نتیجہ میں گرفتار۔ ان کے علاوہ اور بہت سی ہیں۔ جنہیں میرے پاس آنی کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی نکالیف کو لینے چاہنے والوں کی مدد سے رفع کر لیا۔ اور بعض خوش قسمتی سے محفوظ رہیں۔ اسقاطِ حمل کے ماہروں کے پاس ایسی صد ہا امثال موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ مگر ان کو ظہیر نہیں کرنا چاہتا گا

۲۵ سال تک جو وینٹائل کورٹ کا فاضل جج منذر جہ بالا اقسام کے دعوے پر نہایت وجہ دیتا رہا۔ اس نے سینکڑوں نوجوان لڑکیوں اور نوجوانوں کو نہایت عمدہ بچاؤ کی تدبیر بتائیں۔ ان کی موجودہ مداخلت کے ذریعہ کے لئے شہر بدن کو

کوشش کی۔ آئندہ کیلئے مناسب ہدایات بتا کر ان کو آئینہ الی شبابی اور برہادی سے آگاہ کیا۔ اسلئے کہ وہ عمدہ عورتیں اور خوش باش اور اچھے شہرہ یافتہ ہوں۔ گویا اس نے ہر مکن کوشش سے طبقہ ذکور و انات کی خدمت کی۔ میں امریکہ کے نوجوانوں کی ہجو نہیں کرنا چاہتا۔ فرائڈل ریچ لکھتا ہے۔ میں ان کے (امر مکن) نواںوں سے دوستوں میں سے ایک ہوں۔ اور یہ صرف ان کے بچاؤ اور حفاظت کیلئے ہے۔ کہ میں ریچ بولنے پر آمادہ ہوا ہوں۔ اسلئے کہ ان کی آئندہ زندگی خلقت کیلئے بہتر ثابت ہو۔ میں نے اپنی ۵۲ سالہ زندگی صرف اپنے نوجوان دوستوں کی زندگی درست کرنے کے لئے وقف کر دی۔ بہت سے ایسے افراد بھی ہیں جو ہمیشہ میرے کاموں کی بابت دریافت کرتے رہتے ہیں۔

فاضل ریچ نے کتاب امر مکن نوجوانوں کی توہیں کیلئے تھیں بلکہ بہتری کیلئے لکھی ہے۔ جس میں اس نے ان نوجوانوں کو جو ان خرابیوں کا شکار ہو میو اتے ہیں۔ ان والدین کو جو اپنے بچوں کے اخلاق سے بے بہرہ ہیں۔ ان سوسائٹیوں کو جو ان بد معاہدوں سے تیر و دار ہیں۔ آگاہ کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں کہ ریاستہائے متحدہ سورالٹ ناقابل ہے۔ اور خراب قلپائین کی سیاہ فام آبادی کو کچھ مدت اور اصلاحی تعلیم کے زیر حفاظت رکھا جائے۔

ہم غیر شکوہ مان کے بُرے اور خراب اثرات پر خفا فرمائی نہیں کرنا چاہتے۔ اسلئے کہ ہم اس قسم کی حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء کے درمیان جو دینائل کو رٹ میں اس غیر شکوہ والدہ کے متعلق ۶/۵۹ مقدمات دائر ہوئے۔ جو سب کے سب ہائی سکول کی عمر کے تھے ہائے پاس اسکے متعلق ایک حقیہ یادداشت موجود تھی۔ ان مقدمات میں عام

رسوم اور سوسائٹیاں لڑکیوں کو خوفناک تنہائیوں کی جانب لجاتی ہیں۔ مگر ہندوستان میں مواقع بہتر ہیں۔ کیونکہ یہاں کے پنڈتوں نے ملک کی آب و ہوا کے مطابق زندگی کی خرابیوں کو قبل از وقت سوچ کر ان خرابیوں کے رفع کرنے کی تجویز سوچ رکھی ہے۔ ان کا مقصد مہذب ممالک کی طرح انسان کی تکمیل نہیں۔ اور نہ ہی امریکن نقطہ نگاہ کو اس جگہ دخل ہے۔ اور نہ ہونا چاہیے۔ گرم ممالک میں جنوب کے سرد ممالک کی نسبت لڑکیاں جلد سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ انگریز خاقون سے جو کہ کمیشن کی عمر تھی۔
..... مس میو کی تحریر کی بابت دریافت کرنے پر جو معلوم ہوا۔ وہ یہ ہے کہ مس میو کا بلوغت کی بابت فیصلہ درست نہیں۔ اُس نے دوران گفتگو میں کہا۔ کہ گرم ممالک اور ہندوستان کی 4 سال کی لڑکی اور انگلستان کی 12 برس کی لڑکی بلوغت کے درجہ میں دونوں یکساں ہیں۔

مس میو اپنے زمر اور انداز میں تحریر فرماتی ہیں۔ ”ہندوؤں کی پرانی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ نابالغ لڑکیوں کی شادی کی جائے۔ ایک کتاب دوسری کتاب کے برخلاف کہہ رہی ہے۔ اور پنڈت بھی اس بات کو مانتے ہیں۔ اور حقیقتاً اس قسم کی تحریروں سے متفق نہیں ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ کوئی جھگڑا کھڑا ہو۔ روزمرہ کے واقعات درمیان میں آکر اس قسم کے جھگڑوں کا آزالہ کر دیتے ہیں۔ ہندو رسوم اس بات کی متنی ہیں۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جلد از جلد آدمی اپنا جائز اور حقیقی بدیا پیدا کر سکے۔ مگر امریکن رسوم کے زیر اثر غیر منکوحہ عورت سے ناجائز تعلقات نہ ٹھٹھتے ہوئے اصلی اور اپنے حقیقی باپ کی اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ بیچ لینڈ سے کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ ”ہمارے ہائی سکولوں

کی دس فیصدی لڑکیاں نہایت خطرناک راستے پر گامزن ہیں۔ میں دوبارہ کہتا ہوں۔ کہ یہ نہایت ہی قلیل تعداد ہے۔ جسکے ماتحت صرف چودہ۔ پندرہ سو لہ اور سترہ سال کی لڑکیاں قابل ذکر ہیں۔ مگر ان کے علاوہ اٹھارہ، نینیس اور بیس سالہ محض اخلاق لڑکیوں کی تعداد فیصدی مذکورہ بالا سے کہیں زیادہ ہے۔ اور یہ بالکل صحیح واقعات ہیں۔ جن سے صحیح موصوف کو واسطہ پڑا ہے۔ اور اسی لئے انہوں نے لڑکیوں کی شہوت رانی کی بات صاف الفاظ میں لکھا خیال کیا ہے۔

اسکے علاوہ صحیح مدوح لکھتے ہیں۔ ”اسکے علاوہ بھی ایک بڑی تعداد میں ایسی لڑکیاں ہیں۔ جن کی جانب ہنوز ہمارا خیال جا نہیں سکا۔ اور انہی کے افعال عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔“

اسکے بعد نہایت عقلمندی سے لکھتے ہیں۔ ”کہ مجھے ان معاملات کی نہ کو پہنچنے کی ضرورت اور خواہش نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی غلطی تعداد بھی خوفناک ہے۔ گذشتہ سال (۱۹۲۴) مجھے اس قسم کے سینکڑوں واقعات سرسابقہ پڑا ہے۔ کہ جن میں ناجائز طریق پر حمل واقع ہوا ہے۔ ان بچوں کو ماؤں سمیت سمجھالا۔ اور انکی پوسے طور پر نگہداشت کی گئی۔ ان میں سے ہر لڑکی یا تو میرے پاس آئی۔ کہ زچگی کے وقت کا مناسب انتظام کروں۔ یا اسکے برخلاف اسقاط حمل کے ماہر کے پاس گئی۔ تاکہ وہ ناجائز بچے کو ضائع کر نیک بندوبست کرے۔“

”تین لاکھ کی آبادی والے ایک شہر میں ایسی وارداتیں کچھ تو ہائی سکول میں داخل شدہ لڑکیوں میں اور کچھ باہر کی لڑکیوں میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔“

زیادہ خوفناک ہے۔

چوتھا باب

خوردسال باب

مس میو اپنی کتاب مدد اندیا میں لکھتی ہے۔ رتھ ہندوستان میں خوردسال بچے کی بلوغت کے متعلق بہت ہی کم سوچا جاتا ہے۔ عام حالات اور پبلک کی رائے بھی اُن کے قبل از وقت تناسلی کام کے شروع کرنے میں روک نہیں پیدا کر سکتے۔ حالانکہ اُس وقت خوردسال بچے میں میاں بیوی کے کام انجام دینے کی بہت ہی کم قابلیت ہوتی ہے۔ ہندو رسم و رواج میں یہ ضروری ہے۔ کہ ایک شخص کے ہاں بہت جلد حقیقی اور جائز لڑکا پیدا ہو کر باپ کی وفات کے بعد اُس کے مذہبی کام پورے طریق پر انجام دے۔ اور اپنے باپ کی وفات کے بعد چتا پر بیٹے ہوئے باپ کا سر بھوٹے۔ کہ وہاں سے روح پرواز کرتی ہے۔ مسٹر گاندھی نے لکھا ہے۔ کہ میں تیرہ سال کی عمر سے اپنی عورت کے ساتھ تناسلی کام انجام دے رہا ہوں۔ . . . اب ہندوستان میں قد سے اس بات پر زور دیا جا رہا ہے۔ کہ بچپن کی شادی درست نہیں۔ اور مقام شکر ہے۔ کہ ہندوستانی دلوں میں اس قسم کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا تحریر میں مس میو نے کچھ باتیں تو سر اسر غلط تحریر کی ہیں۔ اور کچھ نیم غلط۔ اب میں غلط باتوں میں سے صحیح اور نیم غلط واقعات سے درست واقعات علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہوں۔

(مصنف فادر انڈیا)

یہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ کہ ہندو رسم و رواج اس بات کا مقصد ہے کہ ایک شخص کا جائز اور اصل و حقیقی لڑکا اُسکی وفات کے بعد مذہبی رسوم کے مطابق اُسکے تمام کام سرانجام دے۔ مگر یہ تو سراسر غلط ہے۔ کہ جتنا بڑھتے ہوئے باپ کے سر کو ٹھوکر سے ٹوٹے۔ تاکہ اُسکی روح بہت جلد اُسکے جہنم سے بردار ہو۔ واصل اس فقرہ سے اُسکا مفہوم ہندو دھرم کے مردہ جلائے کی رسم کو الزام دینا ہے۔ مغرب کے تعلیم یافتہ اصحاب مردہ کو قبرستان یا مرگٹ میں جلائے کو بہت بہتر اور انسانی محبت کے قائم و برقرار رکھنے کیلئے بہت اچھا خیال کرتے ہیں۔ مس میو کو چاہیے کہ گولڈز گرین کے مردہ گھات میں جا کر ملاحظہ کرے۔ کہ کس طرح مغرب کے بڑے اور معزز اشخاص مرتے وقت وصیت کرتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد انکی لاش کو جلا دیا جائے۔ اور انکی یادگار اُسجگہ سنگ مرمر پر کندہ الفاظ کی صورت میں چھوڑ دی جائے۔ یا اگر یہ نہ ہو سکے۔ تو اُس مفدس دیوار پر جو اُسجگہ اُسی مطلب کے مخصوص لکھی ہے۔ جہذحروف بطور یادگار لکھے جاویں۔ میں نے ایک دن دی ٹائمز (ایک انگریزی اخبار) میں پڑھا۔ کہ مرحوم لارڈ جارج ہیلٹن جو کہ نہایت مشہور اور ادبی دنیا کے مایہ ناز عالم تھے۔ گولڈز گرین میں انکی لاش کو ہندوؤں کی طرح جلا باگیا۔ مردہ کو جلائی کی رسم ہندوستان کے اندہ مدت گذری بہتوں کشتہ یوں اور ویش وغیرہ کے درمیان رائج تھی۔ اور رائج کرنیوالوں نے یہ رسم آدین قوم کیلئے مخصوص کی تھی۔ اب اگر مغرب کے تعلیم یافتہ طبقہ میں اُسکا رواج ہو جائے۔ تو یہ ایک نہایت افوس کا مقام ہے۔ کیونکہ انکی تہذیب میں مردوں کو زمین میں دفن کرنا اور دوائیوں

کے ذریعہ بخش کو سٹھونے سے بچا کر رکھنا ہے۔ مگر ہندوستانی تہذیب مصر کی تہذیب جس میں کہ مردوں کو مٹیوں کی صورت میں رکھا جاتا ہے۔ بالکل الگ ہے۔ اور مردہ لاشوں کی اس قدر پرواہ اور حفاظت نہیں کی جاتی۔ جب قدر کہ مصر میں۔ قدیم آریں قوم نے مردہ نعشوں کو جلائی کی رسم کو اسلئے رواج دیا۔ کہ مرنے کے بعد انسان کی اُدھ ارضی قیود سے آزاد ہو کر اُس وقت کے زندہ انسانوں کیلئے کچھ کام نہیں کر سکتی۔ جو کام تھا۔ صرف اُسی وقت تھا۔ جبکہ وہ جسم کے ساتھ تھی۔ جو کچھ تھا۔ وہ ناقابلِ فساد روح ہی تھی۔ جب وہ نکل گئی۔ تو جسم بیکار ہے۔ دیگر جو ندرانڈیا کی قابلِ مصنفہ نے لکھا ہے۔ کہ جہاں بریلئے ہوئے باب کا سر بٹیا توڑتا ہے۔ یہ بات قابلِ مصنفہ کے علم میں بھی کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اور یہ بات جو اس کو معلوم ہوئی ہے تو لکھیوں میں پھر نیوالے پادریوں کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے ہندو اور برہمنوں کے ذریعہ یہ بات اُس پر بالکل نہیں روشن ہوئی۔ اور نہ وہ ایسا کر اور کہہ سکتے ہیں۔ یہ صرف شیرزد میندہ اور ہندو دھرم سے عدم واقفیت رکھنے والے پادریوں سے ہی اس میں کو معلوم ہوا ہے۔

ہندو مردہ جسم کو اسلئے جلاتے ہیں۔ کہ وہ مر گیا یا درجہ جسم کو زندہ رکھنے والی قوت اُس میں سے چلی گئی۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ کہ انسان مر گیا۔ مگر مرنے کے بعد اُسکی روح آزاد صرف اُسی وقت ہوتی ہے۔ جبکہ اُسے جلا یا جائے۔ جس میں ہر ہندو قوم کے لڑکے اس الزام میں مانوڑ کرنا چاہتی ہے۔ کہ وہ زندہ باب کو جلاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ اپنے ہونیکے کو ظاہر نہیں کرتی۔ کہانی سے اور کیسے اس کو یہ علم ہو گیا۔ کہ ہندو لڑکا اپنے باب کا پھوڑتا ہے۔ تاکہ روح آزاد ہو جائے۔ خیال کر نیکی جگہ ہے۔

ضمیر نے اُسکے ارادے پر قابو پالیا۔ اور وہ اس بد کام سے باز رہا۔ کیونکہ اُسکا
ضمیر اصلی معنوں میں اسکی عورت کے حق کا امانت دار تھا۔ اور وہ خیانت نہیں کر
سکتا تھا۔ اور یہی ایک پاک جذبہ ہے۔ جو ہر ہندو کو اسے بُرے کاموں سے
باز رکھتا ہے۔ گاندھی نے اپنے نفس پر قابو حاصل کیا۔ اور ایسی سبب سے اپنے
اور بیگانوں میں ہر دلنریز ہے۔ اُس نے غصہ اور شہوت پر قابو پالیا۔ گویا اُس نے
اپنے جسم میں ایک ہی جگہ ہندو اور شیر برقیضہ کر لیا۔ متواتر کئی سال کی
تپس کے بعد اُس نے اپنی تمام خواہشات کو اپنے ماتحت کر کے اُس نے اپنے
آدمیوں کو اپنا گردیدہ بنا لیا۔ اور یہی ایک خوبی ہے جو مغربی انسانوں میں ہر ہندو
ایک انگریز شاہ کا قول ہے۔ اپنی آپ عزت کر لیا۔ اپنے دھرم کو بالنتہا
اور اپنے خواہش اور اپنی خواہشات پر ہی قابو پالینے سے انسان مکمل انسان
بن جاتا ہے۔

اس لئے اُس انگریز شاعر کے قول کو مد نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کے
رشی اس قسم کی زندہ مثال ہیں۔ اگر مس میو نے مسٹر گاندھی کی بابت نیم
غلط بیان کیا ہوتا۔ تو اس صورت میں ہم ضرور اسکی تردید کرتے۔ مگر گاندھی
خود معترف ہے۔

اب رہا کثیر الزدواجی کے متعلق سوال۔ ہندو دھرم کثیر الزدواجی کے
متعلق اُسی قدر ہی اجازت دیتا ہے۔ جس قدر کہ اسلام میں جائز ہے۔ مسلمانوں
کے اسلام میں یہ قدر اور صرف ہا تک محدود کی گئی ہے۔ مگر ہندو دھرم میں تعدد
کو ایک حد میں نہیں رکھا گیا۔ تاکہ ایک حد کے مفرور کرنے سے کسی پر بوجھ نہ ہو
دھرم اگر کسی کام کی اجازت دے۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ وہ ضروری

اور واجب ہو گئی۔ بعض امور مذہب کی بناء پر ضروری ہوتے ہیں مگر کثیر الزدواجی ایک ایسا حکم ہے جس پر آدمی کو خود مختار بنادیا ہے۔ اور ہر سند و اپنی مرضی کے مطابق جنی شادیاں چاہے کر سکتا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ بہت ہی بیویاں رکھے۔ اسکے برخلاف مذہب نے جن امور سے منع کیا ہے۔ وہ بالکل حرام ہیں۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں۔ کہ مشرق کی کثیر الزدواجی چونکہ یہ حکم کھلا ہے۔ اور کھلی بات معیوب نہیں ہوتی۔ مغرب کی ایک بیوی سے شادی کرنے کی نسبت ہزار درجہ بہتر ہے۔ کیونکہ مغرب میں درپردہ کثیر الزدواجی کے معاملات بہت ہوتے ہیں۔ جو شخص ایک بیوی رکھتا ہے۔ اور درپردہ بہت سی بیویاں بناتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ گنہگار ہے۔ جو عوام کے روبرو ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرتا ہے۔ میری اس تحریر کی تا ئید طلاق کی کچھ بیاں بڑے زور سے کرتی ہیں۔ ہندوستان میں عورت طلاق کی خواہش گار اس وقت ہوتی ہے۔ جبکہ اسے گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ مغرب کی کتنی کمزور و نحیف عورتیں خاوند کی امانت میں خیانت کرتی ہیں۔ کیونکہ انہیں یہ معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ انکا خاوند اسکی امانت میں خیانت کر رہا ہے۔ اور عورتیں اسلئے اس فعل کے کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ کہ وہ ان کو اچھا نہیں جانتا اور خراج و فیرو سے تنگ رکھتا ہے۔ اور وہ خواہ اپنے بچوں کے اخراجات کے لئے یا اپنی خواہشات کے رفع کرنے کی واسطے اس امر اور فعل پر مجبور ہوتی ہیں۔ مگر ہندوستان میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ مغربی تہذیب اور طریق کے ماتحت تعلیم یافتہ ہندوستانی زنانوں نے ڈیسیبل تو فصدی صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنے ہیں۔ اور ۹۵ فیصدی ان بڑھ آدمیوں کے پاس بھی صرف ایک ہی بیوی ہوتی ہے۔

امریکہ کے خورد سال باپ اپنے ذاتی بچوں کو اپنا قرار نہیں دیتے۔ خورد سال امریکن خاوند سوسائٹی کی شک میں نہیں بلکہ خدا کی نظر میں اور انسانی قانون کے ماتحت شادی شدہ نہیں ہوتے۔ مگر خدا کے قانون کے ماتحت وہ بچوں کی پرورش کے حقدار اور شادی شدہ ہوتے ہیں۔ فاضل نج لینڈ سے کیا کہتا ہے۔ ”ہائی سکول کے لڑکے عموماً ہائی سکول کی لڑکیوں کی نسبت کم سوانح بھرتے ہیں۔ لڑکی اپنا جال نہایت عمدگی سے پھیلاتی ہے۔ حتیٰ کہ لڑکا اس کے ساتھ رقص کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے۔“

ہندوستانی لڑکے کے سہریہ الزام ٹھوہا جاتا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ شکار کا متلاشی رہتا ہے۔ مگر مس میو کے ملک میں جہاں کی آزادی نہایت ہنگامہ خیز ہے۔ سب سے پہلے لڑکی ہی لڑکے کو چھڑتی ہے۔ اور یہ عمر قریباً گیارہ سال سے شروع ہوتی ہے۔ امریکن لڑکیاں مانند تیز و تند ہوا کے ہیں۔ جن میں کہ لڑکے شکوں کی طرح بے اختیار اڑتے بھرتے ہیں۔

خواہ لڑکے خود شکار ہوں یا شکار کھیلنے والے مگر یہ بات بلا نا مل کہی جاسکتی ہے۔ کہ نوے فیصدی ہائی سکول کے طلبہ کو فارغ التحصیل ہونے سے پیشتر ہی تراسلی اور میاں بیوی کے تجربات ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ نج موصوف کو سکول کے طلبہ کے ذریعہ سے علم ہوا ہے۔ انکی قانونا شادی نہیں ہوتی۔ مگر دیر دہ وہ لڑکیوں سے اس قسم کے تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ خوفناک امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسکی شہادت نج صاحب کے الفاظ میں آگے مذکور ہوگی۔ مگر فی الحال میں خورد سال خاوند کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

نسبت فیصدی ٹوٹ کر نیچے قابل ہے! نوے فیصدی معتبر شہادتیں صرف لڑکوں کے ہی ذریعہ سے ملی ہیں۔ صحیح موصوف کہتا ہے۔ "میرا تجربہ ہے۔ کہ بچاس فیصدی ہائی سکول کے لڑکوں کی شہادتیں بالکل ناقابل انکار طور پر صحیح ہیں۔ اور جو مجھے انہیں کہہ ہی ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ میرے خیم جھوم کی نسبت مس میو کے ٹک میں نہایت کثرت کے ساتھ پوشیدہ ازدواجی کام ہوتے ہیں۔ اب ہندوستان کے خورد سال باب کی کیا کیفیت ہے؟

..... اسکی نسبت فیصدی ادبچی ذاتوں کی مردم شناری کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہے۔ جن میں اول برہمن پھر کشتری اور پھر ویش شامل ہیں۔ اور یہ غالباً تمام آباد کا بیسواں حصہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں زیادہ تر آبادی غیوروں کی ہے۔ سو ان میں میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ بچپن کی شادی بالکل کالعدم ہے مگر یہ بالکل عام بھی نہیں ہے۔ جب قدر کہ طبقہ اولیٰ میں۔ گاؤں میں بودو باش رکھنے والے مس میو کی تباہ و برباد کن قلم کی زد سے باہر ہیں جیسا کہ وہ خود دکھتی ہو۔ ایک کاشتکار آدمی بوجہ اپنی دن بھر کی مصروفیت اور غریبی و فلسی کے ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ مگر امیر شہری آدمی اور ذریعہ معاش وسیع رکھنے والے اس قسم کے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی کی توجہ رہتی ہے۔

کہ ہندوستان میں باریخ لاکھ گاؤں ہیں۔ دیکھئے مس میو ہندوستان کی رعایت پیشہ ہونے میں بھی انکار نہیں کرتی۔ اور خیال کرتی ہے۔ کہ ہندوستان بڑا بڑا حکومت کے زیر اثر ہے سے زیادہ خوشحال ہے۔ وہ اس سے بھی منکر نہیں۔

کہ ہندوستان مغربی ممالک کی نسبت سب سے زیادہ غریب ہے۔ ہندوستان بجا را بہت غریب و نادار ہے۔ وہ کہتی ہے۔ اور اس میں (ہندوستان کی)

نوجوان جنگِ عظیم سے واپس آئے۔ تو اپنے ساتھ اُن جذبات کا بھی کافی ذخیرہ لائے جن سے قبل اسکے وہ ناشناختے۔ کیونکہ انہوں نے دیگر براغلموں کا پانی سیا یورپ میں داخل ہوتے ہی اُن نوجوانوں نے اُن نئے جذبات کو اپنی درست عورتوں پر ظاہر کیا۔ اور اس طرح ایک ن شکل اختیار کی گئی۔ جسکے ازالہ کئی آج یورپ کے اعلیٰ دماغ محو تجربہ ہیں۔ کبھی وہ وقت تھا۔ جبکہ ایک نوجوان اور خوب صورت لڑکی ایسی باتوں کے اظہار کو اپنی ہتھک کا باعث خیال کرتی تھی۔ اب وہ ایسی باتوں سے انکار کر سکتی ہے۔ مگر ناخوش نہیں ہو سکتی۔ لڑکیاں اس قدر بگڑ چکی ہیں۔ کہ وہ آدمی کی جماعی حرکت کو معلوم کر سکتی ہیں۔ کہ یہ اپنی اصل حالت پر ہے۔ اور یہ کمزور اور غیر صحیح۔ ایسی خوبصورت لڑکیوں کی اوسط فیصدی بہت ہی ناکارہ اور خراب لڑکیوں سے کم ہے۔

مس میو ایک ہندوستانی لڑکے کی کہانی بیان کرتی ہے۔ کہ کس طرح اسکے باپ نے اسکو چھوٹ و ذخیرہ سے اپنے آپ کو بچانا سکھایا ہے۔
 ”میرا باپ (ایک ہندو بیرسٹر کہتا ہے۔ جو کہ اپنے علاقہ میں نہایت قابل تسلیم کیا جاتا ہے۔) نے میرے بچپن کے زمانے میں بتایا۔ کہ کس طرح اپنے آپ کو چھوٹ سے بچایا جاسکتا ہے۔
 کیا یہ اُسکے لئے بہتر نہ تھا۔ مس میو کہتی ہے۔ کہ میں نے پوچھا۔ کیا اُس نے تمہیں زندہ سکھایا ہے۔“

یہاں میں ایک امریکن نوجوان کی کہانی لکھتا ہوں۔ جسکو اُسکے والدین نے زندہ سکھایا۔ کیا مس میو صرف ہندوستانیوں کو ہی بذنام کرنا جانتی ہے۔
 مچ لینڈ سے کہتا ہے۔ ”مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ مجھے سندھ

سے سکول کے سپرنٹنڈنٹ کے ہاں ضیافت کیلئے بلایا گیا۔ جو کہ وہاں کے طلباء میں سے ایک کا باپ تھا۔ مخرم قسطنطین اور معزز خاتون نے والدین کی لاپرواہی پر نہایت بُرے الفاظ میں تقریر کی۔ اور مجھے یہ بتایا کہ آجکل ان کا لڑکا سوزاک جیسے نہایت خوفناک مرض میں مبتلا ہے۔ اسکی اس قدر خطرناک حالت ہے کہ وہ سیدھا ہو کر نہیں چل سکتا۔ لڑکے سے پوچھا گیا۔ تو اس نے بتایا کہ ہم کمیت میں کھڑے تھے کہ گھوڑے نے میزے یہاں دو لٹہ مارا جس سے یہ مرض ہو گیا۔ والدین کو یہ بات ماننی پڑی۔

میں ہندوستان میں ایک مجذوب سے ملی۔ جسکے ساتھ گفتگو کر کے اس نے تمام قوم کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا ہے۔

ایک معزز اور مشہور ہندو مجذوب نے جسکے گرد ہر وقت شاگردوں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ مجھ سے بیان کیا۔ ”بیچ اور جھوٹ کو ایک ساتھ ملانیکا سوال نہیں جوہنی کہ میں فراغت پاتا ہوں۔ فوراً اچھول جاتا ہوں۔ اور یہ صرف اسلئے ہے کہ میری ثورت ناراض نہ ہو جائے۔ وہ مجھ سے روشن ضمیری میں قدم قدم ہے۔ اس فعل کا کرنا او ذکر نابرابر ہے۔ اور ایسی باتیں ہر دنیا کو دھوکے میں ڈالنے کیلئے ہیں۔“

یہ معلوم کرنے کیلئے بہت ہی کم عقل درکار ہے۔ کہ اس فقیر نے امرکین سیاح کو دھوکا نہ دیا ہو۔ ہندوستان میں حیر العقول کام کر نیوالے فقیر بہت ہیں۔ مگر ان کے علاوہ دھوکے باز فقیروں کی بھی کمی نہیں۔ ان میں ایسے فقیر بھی ہیں۔ جو کہ بالکل حرام زادے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ فاقہ کشی کی زندگی بسر کرتے ہوئے اس کے عوض میں تصوف اور فقری کو حاصل کر کے لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے بیٹھ جاتے ہیں جب کوئی اجنبی اور خصوصاً سیاح ان سے ملے ہیں۔ تو وہ بکواس شروع کر دیتے ہیں جس

سے اُن کو اس کے تصوف میں رنگے ہو نیکا یقین ہو جاتا ہے۔ اُن کا منہ تائے نظر جنس لطیف ہے۔

مس میو قارئیں کرام کو مجذوب کی زندگی کی بابت یقین نہیں دلانا چاہتی۔ لیکن اسکو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ ایک انجیل کی آمد سے موسم گرما نہیں آجا یا کرتا۔

تاہم اُس نے اپنے تصوف کے تجربہ کی بنا پر نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے۔ ”مذکورہ بالا فقیروں کا خاکہ سمجھنے کے بعد میری تحریر پر بہت ہی تھوڑا تعجب ہو گا۔ کہ ہندوستان کی ہر زمین کے ایک سرے سے دوسری جانب تک ایک شخص جبکی عمر تیس سال ہو۔ اور اُسکے پاس اپنی خواہشات کو پورا کر نیکا سامان موجود ہو۔ بوڑھا ہے۔ اور اُسکے علاوہ ہر دس اشخاص میں سات سے آٹھ تک جبکی عمر ۵۰ اور تیس سال کے درمیان ہو۔ نامزد ہیں۔“

ہندوستان کے لاکھوں نوجوانوں کیلئے یہ بات نامناسب ہے۔ بعض بوڑھے مگر جو انہر دس نے اپنی عمر کے پینسٹھویں سال میں شاہی کی ہے۔ اور اس عمر میں بھی اُن سے خوبصورت اور ندرست دو تانا ادا لاد پیدا ہوئی سچ لینڈ سے ایک مجذوب کی نہیں بلکہ مس میو کے وطن کے ایک عملی شخص کی کہانی لکھتے ہیں۔

بہت ہی تھوڑا عرصہ ہوا۔ میں ایک ہائی سکول کے لڑکے سے ملا۔ جس نے میرے روبرو اعتراف کیا۔ کہ اُسکا تعلق ہائی سکول کی ۵۰ نوجوان لڑکیوں سے ہے۔ جن میں سے نصف کے قریب اب تک سکول ہی میں تعلیم پاتی ہیں۔ اُس نے ماخذ بازی لڑکیوں کے ایک دوسرے پر فوقیت دیگر انتخاب کیا۔ میں نے اُس کے بیان کی تصدیق کی۔ اور تجربہ اُن لڑکیوں سے ملا۔ وہ واقعی اچھی اور خوبصورت ہیں۔ اُس نے اُن کیساتھ صرف ایک یا دو مرتبہ ہی لطف اٹھا پایا ہے۔ صرف ایک یا دو مرتبہ ہی اعتراف کے بعد لڑکیوں نے رضامندی ظاہر کر دی۔

یہ ایک بانی فادر لڑکے کا حال ہے۔ لیکن امریکہ کی عوام حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمیشہ پہل جو ہوتی ہے۔ وہ لڑکیوں ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

پانچواں باب

تصاویر کا مقابلہ

مس میو کہتی ہے۔ کہ دیویاں (خدا کی عصمت فروش عورتیں مس میو) جو کہ مندروں میں بجا رہیں اور زائردوں کی حرص پوری کر نیکی غرض سے رکھی جاتی ہیں۔ وہ نہایت اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں مس میو کے الفاظ لکھتا ہوں:-

”ہندوستان کے اکثر حصے میں اور خصوصیت کے ساتھ مذہب برہمنی اور علاقہ اڑیسہ میں یہ ایک رسم ہے۔ کہ اگر ان کے گھر دوسرا بچہ لڑکی پیدا ہوتی۔ تو وہ اس لڑکی کو خدا کی رحمت اور قرب حاصل کر نیکی غرض سے مندر کی دیویوں کی نذر چڑھا دینگے۔ بموجب اقرار کے والدین لڑکی کو مندر میں چھوڑ آتے ہیں۔ اور وہاں کے بزرگ و مورث اعلیٰ رسم کے مطابق انہیں ناجنا اور گانا سکھاتے ہیں۔ اکثر تو پانچ برس کی ہی عمر سے یا جب مناسبت ہو۔ وہ بچاری کی بیوی کا کام دیتی ہے۔“ اور اگر وہ زندہ رہی۔ تو ہر روز وہ مندر کی مورتیوں کے سامنے اپنا نایچ اور گانا گاتی رہی۔ اور یہ اُسکی روز کی عبادت میں شامل ہے۔ نیز مندر کے ملحقہ کمرے ہمیشہ ہرزائیں کیلئے قیمت برکھتے رہتے ہیں۔ جس میں کہ وہ دورانِ زیارت میں با آرام رہ سکے۔۔۔۔۔ وہ دیوی ہر روز نہایت فاخرہ لباس میں جو اہرات سے ملبوس عبادت کو جاتی ہے۔ اور یہ اُسکا روز کا معمول ہے

اور یہ اُس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک اُس کا حسن فنانہ ہو جائے۔ اُس کے بعد وہ خدا کی منتخب شدہ ہر کے ساتھ جس کے سائے میں وہ اب تک رہی۔ عوام میں نکال دیا جاتا ہے اور اُس کو کچھ خوراک اور پیہ دیا جاتا ہے۔ اور اُس کو فقیرانہ زندگی بسر کرنے کے حقوق عطا کیے جاتے ہیں۔ اُس کے والدین جو کہ بہت محرز اور کھاتے پیئے بہت امیر ہوتے ہیں۔ انہیں اُس کے اس طریق پر مندر سے باہر نکالے جانے پر کچھ افسوس نہیں ہوتا۔ والدین کا عوام میں باہر نکالنا باعث صداقت و خیال کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا طریق پر مندر سے باہر نکلی ہوئی عورت اور اُس کی قوم کی دیگر مستورات کو عوام دیویوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ دیویاں نہیں۔ بلکہ خدا کی عصمت فروش عورتیں ہیں۔ جو صرف مندر کیلئے ہی منتخب شدہ ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہندوستان میں دیویاں ہیں۔ جیسا کہ مس میو کے الفاظ ہیں۔ مگر ہندوستان میں عصمت فروش عورتوں کی تو خود ایک جماعت ہے۔ یہ تو سراسر غلط ہے۔ کہ اُن کا تعلق اعلیٰ خاندانوں سے ہوتا ہے۔ ایک بیوا کی ماں بیوا ہی ہوگی۔ اور اس طرح لڑکی کا عصمت فروش ہونا یقینی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ عصمت فروش عورتوں کا تعلق اعلیٰ طبقہ سے ہرگز نہیں۔

یہ خیال کہ نوجوان عصمت فروش لڑکیوں کو مندر کی فضا میں پالا اور پرورش کیا جاتا ہے۔ اصل میں ایسے یہ معنی ہیں۔ کہ اُن کے دل میں آہستہ آہستہ ایمان اور خدا کا خوف ڈالا جائے تاکہ وہ آئندہ خدا کے خوف کو دل میں رکھتی ہوئی کوئی فاحشہ کام نہ کریں۔ اور دنیا میں ایمانداروں کی طرح ایک شخص کے گھر بیوی بن کر رہیں۔ ایسے ہندوستان کی فاحشہ عورتیں سب سے زیادہ ایماندار اور خدا سے خوف کھانوالی عورتیں ہیں۔ بد قسمتی سے یہ پیشتر انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے آگے بڑھے اور دیکھئے۔ کہ امریکہ میں طلاق کی کچھ پریاں شادی شدہ مرد و زن کی بدکاریوں اور

بست ہیں۔ جنہوں نے سالہا سال کی بے غرض محنت جو انہوں نے مذہبی اور اقتصادي حالات کو درست کر سکی غرض سے کی ہے۔ اور مدبرانِ ملکی کو سامنے ہوم رول کو حاصل کر سکی آواز بلند کی۔ اب ملک کے مدبر نے ذمہ اٹھایا ہے۔ وہ بنیادی سوشل فائلز کے رفع کر سکیا منتخف شدہ پروگرام پیش نہیں کر سکتا۔ مجلس قانون ساز اسکی ذمہ دار نہیں۔ اور یہ تو صرف نا صحابہ ہے۔ موجودہ گورنمنٹ ملکہ معظمہ کوٹاریہ کے قوانین پر کار بند ہے۔ اور آگ کے کوئلوں سے کھینکے کی کوشش نہیں کرتی۔ جیسا کہ مس میونسپل نے نہایت عمدگی سے کوشش کی ہے۔

سوشل ریفارمر کا جو کہ برائی سے ہٹنا رہنا چاہتا ہے۔ زاویہ نگاہ اسی قدر ہے۔ کہ اعلیٰ اور راسخ الاعتقاد بندوں کا ایک طریق اور قانون پر ثابت قدم رہنا جس سے کہ ایک سوسائٹی کی بہتری ہو۔ بہت ہی افضل ہے۔ خواہ وہ گمراہ ہی ہوں۔ گمراہ اپنے خیال کے مطابق درست راہ پر گامزن ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ کہ سوشل ریفارمر تاحال انگریزی تعلیم میں لغل کتب ہیں۔ اسکی آرزو ہے۔ کہ ہندوستان کو امریکن رنگ میں رنگ دیا جائے۔ بس اسکی تحریر کو برزور بنائیں غرض سے جج لینڈس کے الفاظ جو کہ اس نے امریکن اخلاق کی خرابی کے متعلق تحریر کئے ہیں۔ بطور ثبوت پیش کرتا ہے۔ ہندوستان میں دیویوں کی جماعت امریکہ کی خرابی سے آدھی نسبت پر خراب ہے۔ جج لینڈس سے کہتا ہے۔ ”مینو یارک کے شہر میں فریڈیا پچاس ہزار لڑکیاں اپنے خاندانوں کے علاوہ دوسرے آدمیوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ وہ لڑکیاں جو مائیں بن جاتی ہیں۔ تو اس صورت میں وہ اپنے بچوں کی نگہداری کا اپنے سربالکل نہیں لیتیں۔ کیونکہ بچوں کو ان سے سوسائٹی لے لیتی ہے۔“

ہندوستان میں تبھی کس حد تک دیویوں کی یہی حالت ہے۔ کہ وہ اپنے

اصل خاندانوں کے ساتھ نہیں رہتیں۔ مگر دلوپوں کا یہ حق ہے۔ کہ وہ بچوں کو اچھے اور اعلیٰ طریق پر بہت اچھی طرح پرورش کرے۔ بچہ پیدا ہونیکے بعد دیگا اس کام کو چھوڑ دیتی ہے۔ اور بچہ کے باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ یا بچے کے والد کی عورت ہو کر اسکے گھر میں یا اپنے گھر میں رہنا شروع کر دیتی ہے۔ اس بات کا فیصلہ میں غیر جانب دار قارئین پر چھوڑنا ہوں۔ کہ ہندوستان کی حالت جس پر مسیح نے رنگ چڑھایا ہے۔ بہ نسبت امریکہ کی حالت کے کس قدر خوفناک ہے۔ جس کا اظہار ایک نہایت تجربہ کار۔ جج نے کہا ہے۔ میری رائے میں مس میو کی تحریر کردہ حالت جسکی بابت میں چلینج دیتا ہوں۔ کہ وہ غلط بیانی پر مبنی ہے۔ وہ انکشافات جو یہ جج نے کئے ہیں۔ کتنا صحیح ہونگے۔ جو کہ مس میو کے یہی ملک کا باشندہ ہے۔ دوسری غلط بیانی جو سن میو نے کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہندوستانی لوگ اعلیٰ عموماً بہت جلد بالغ ہو جاتی ہیں۔ اور جبکا حوالہ گذشتہ ابواب میں دیا جا چکا ہے۔ اُس نے جلدی بالغ ہونیکے بہت سے اسباب بیان کئے ہیں۔ کہ گھروں میں شہوت کو ابھارنے والی باتیں کیجاتی ہیں۔ آلات تناسل کی پرستش کیجاتی ہے۔ اور سردوں پر ایسی قسم سے قوی نشان رکھے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس میں قریباً آدھا کذب بھرا ہوا ہے۔ آؤ ہم امریکہ کے اعلیٰ خاندانوں کی حالت کا مطالعہ کریں۔ جنکی پرورش بہت عمدہ طریق پر ہوئی ہے۔ اور جہاں مس میو کے قائم کردہ اسباب خواب میں بھی نہیں آسکتے۔

جج موصوف اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

”3/3 لوٹکیوں میں سے 265 لوٹکیاں 11 اور 12 برس کی عمر میں بالغ ہوئیں۔ ان میں سے اکثر گیارہ اور بارہ برس کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں۔ 3/3 لوٹکیوں کو

و حصص میں تقسیم کر دیے معلوم ہوا کہ 285 لڑکیاں گیارہ بارہ اور تیرہ برس
 کی تھیں اور باقی ۱۰۷ لڑکیاں ۱۵ اور ۱۶ برس کی عمر میں بالغ ہوئیں۔
 اس کا مقام بہت ہی کچھ ہے۔ میں اس میدان میں سالہا سال سے نہایت غور
 فکر کیا، نتیجہ نکال کر دیا ہوں۔ اس لئے جو لڑکیاں بہت جا بجا بالغ ہو جاتی ہیں، انکو اپنی
 حالت کی بابت بہت ہی خطرہ ہو جاتا ہے۔ مگر وہ ایک بات ہے۔ کہ وہ بہت جلد
 بکاول کیلئے ایک کشش کا ذریعہ ضرور ہو جاتی ہیں۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے
 مگر وہ اپنی طبیعت پر چست ہوتا رہ جاتی ہیں۔ اور ان کے دل و دماغ میں لڑائی و جھگڑا
 پیدا ہوتی ہے۔ شرم و خجالت ہو جاتی ہے۔ مگر نتیجہ ہی اس کے ہے کہ وہ ان کے ہم لڑائیوں کے
 اور اگر وہ کیلئے ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ اور ان کا اس قدر زیادہ چست ہونا چاہئے کہ
 اس سے سخت نقصان رساں ہے۔ وہ لڑکیاں بکاولی ہیں۔ اور ان میں بدل چوں
 کا سامنا ہوتا ہے۔ اور ان میں سے اکثر کیلئے ذمہ داری اور ذریعہ کی نسبت بہت
 زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگر ہم انکو احسن طریق پر تعلیم دیں۔ تو یہ حالت بڑی حد تک
 رفع ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ ہم ان کو اس اہم اور خطرہ سے بالکل ہی آگاہ
 نہیں کرتے۔

میری بیٹی میو بیکن کی شادی بہت ہی خراب ہے۔ میری بیٹی نہیں بلکہ اور
 بہت سے میرے وطن کے تعلیم یافتہ اصحاب کی لڑکیاں بھی یہی ہے۔ اور وہ بہت
 مدت سے اس خراب رسم کو مٹانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ مگر پائے اور سچے عقد
 کے لوگ جو اس پر عمل پیرا ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ بچپن کی شادی بہتر ہے۔ اور
 ایسے ہی لوگ مس میو کے الفاظ کی زد میں آئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بچپن کی
 شادی سے وہ تمام خرابیاں جو اگلے امریکہ میں غیر شادی شدہ ہونے کی حالت میں پیش

آتی ہیں۔ بہت بڑی حد تک رنج ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ غیر شادی شدہ عورت میں حمل ہو کر بہت سے خاندانوں کیلئے باعث تنگ ہو جاتا ہے۔ اسلئے بچپن کی شادی کر کے سے ایسے نقصان نہیں ہوتے۔ یہ صرف ہندوستان کیلئے ہی بہتر نہیں۔ بلکہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کیلئے بھی فائدہ سے تھائی نہیں۔

مس میو نہایت صادق قلبی سے مجلس قانون سازان کے اس رویہ کی مخالفت ہے۔ جو وہ خلاف اور فحش بحث تہارات و کتب کے قانون کو اپنا ترجمہ بنا کر پاس کرنے پر طیارہ تھے۔ (دفتر ملک شاہد سیکشن ۲۰۹ پر تہذیبیات ہند)

”جنیوا کا کنفرنس جس میں تمام قومی عہد و بیماں ہوئے۔ اور جو ۱۹۴۸ء میں منعقد ہوئی۔ یہ پاس ہوا کہ ہندوستان کی مجلس و ائمہ ان قانون سازان نہایت سادہ و سلیس طریق پر ترجمہ کرے۔ کہ کوئی شخص جس کتاب پر اشتہار نہ ضرورت کرے۔ نہ کراے پر بچا کرے۔ اور نہ تسلیم کرے۔ فحشیت۔ کتب۔ دیگر فحش اشیا وغیرہ سے قطعی نہ فائدہ اٹھائے اور زبان کو شائع کرے۔ مگر اس قانون کی حالت جہاں مسلمانوں کے لئے باعث مسرت ہوگی۔ ہندوؤں کیلئے جن کے مذہب اور پرانی کتب مقدسہ اور رسوم وغیرہ میں ایسی باتیں شامل ہیں۔ نہایت تباہ کن ثابت ہوگی۔ اسلئے ہندوستانی مجلس قانون سازان جس میں ہندوؤں کی طاقت اور تعداد زیادہ ہے۔ یہ پاس کرے۔“

اُس دفعہ کے تحت میں کوئی شخص کوئی کتاب۔ پمفلٹ۔ تحریر۔ تصویر وغیرہ جو بالکل درست طریق پر مذہبی امور کیلئے کام آتی ہیں نیز مذہب پر تراشیدہ تصاویر لکڑی میں کندہ بت اور گاڑیاں جو آمد و رفت کیلئے ہیں۔ زبان پر مذہبی عقاید لگانے پر۔ مس میو کا یہ آخری نتیجہ کہ ”ہندوستانی مذہب فحش۔ ہندوستانی پتھر کے

بت و تصاویر مخمض - غرضیکہ تمام ہندوستانی زندگی ہی مخمض ہے۔ اور اس کا منشا یہ دکھانا ہے۔ کہ تمام ہندوستانی مذاق ہی شہوانی ہے۔

مذکورہ بالا تحریر میں مس میونس نے دیوان شام لال کے ساتھ نہایت غیر منصفانہ لوک کیا ہے۔ جو کہ تجلیٹو اسمبلی کا نہایت روشن رکن ہے۔ جس کی فصاحت و بلاغت کا سرفرڈرک دہانت نے اعتراف کیا ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کے افراد میں ایک ہے۔ دیوان موصوف کی کتابیں سرفرڈرک دہانت نے نہایت دلچسپی سے پڑھی ہیں۔ جو کہ مذہب کے متعلق تھیں۔ پڑھیں۔ اور اسی لئے اس نے یہ رائے قائم کی۔ مذہبی اصلاح کے ساتھ مذہب کے بارے میں زہر اگلا جاتا ہے مگر ملک میں ایسے بھی افراد ہیں۔ جو قانون کی چڑتال کو برا خیال کرتے ہیں۔ ان کی کوتاہ نظری کی تو مس میونس نے شریعہ کر سکتی ہے۔ آؤ دیکھیں۔ کہ اس مضمون پر چیٹس سے کیا رائے کا اظہار کرتا ہے۔

چڑتال اور جانینج ایک سا فریہ ہے۔ کہ جس سے بیک کو باقت کو لگاؤ والے خطرناک حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ جو کہ آج کل اخباروں وغیرہ میں کثرت سے ہے۔ یہ چڑتال سکول کی تاریخوں میں سے ایک ہے۔ جو امریکن انقلاب کی بابت بالکل سچ کا اظہار کرتی ہے۔ ایسی کتابوں کا مقصد تو یہ ہے۔ کہ جنس لطیف کے روپ کو اصل رنگ میں پیش کیا جائے۔

تہمت سی ایسی کتب ہیں۔ جو خراب مقاصد کیلئے لکھی گئی ہیں۔ اور کیا یہ ایسی حالت میں کسی کے اخلاق پر برا اثر نہ ڈالیں گی۔ اور اخلاق سوز ناپت نہ ہوگی۔

”تو جوانوں میں جنس لطیف کے متعلق تعلیم کا دینا ہی اس تمام نیرائی کا ازالہ کر دے گا۔ اور اس حالت میں روشن خیال بیک کو کسی قسم کی جانچ و موڑ پر تال

کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ اور وہ خود اسی حالتوں کی بڑتال کر لیا کریگی۔ کیونکہ پہلے ہی سے اُن کو علمی دائرے میں یہ بات صاف بتادی گئی ہے۔ مگر ہم اسکی جگہ جہالت کی نثرانی کو چھپا کر درست کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اُس کے علاوہ اور بہت سی ایسی کتب بھی ہیں۔ جن میں معمولی طور پر منع کردہ مضمون ہیں۔ مگر سوسائٹی میں انکی قدر ناقابل انکار طریق پر ہے۔ وہ نابالغ طبائع کے لئے شائع نہیں کی گئیں۔ اور اُس کے لئے بڑتال کی ضرورت نہیں۔ اس کیلئے اس امر کی ضرورت ہے۔ کہ اُن نابالغوں کو ایسی کتب کی دید سے باز رکھا جائے ایسے مقاصد کیلئے ان صداقت آمیز ذرائع کو مسدود کرنا سوسائٹی کیلئے نقصان رسا ہے۔ اُن مقاصد پر پرانے زمانے کی کوئی ایسی مستند تصنیف نہیں ہے۔ جس نے

موجودہ زمانہ کے بڑتال کے قوانین کو از سر نو زندہ کیا ہو۔ ایسی تصنیف مشیکسپر نے بھی لو کر لینی کے بھنگا لیجانے اور ویمنس ڈائیوٹس کے بعد کبھی نہ سننی ہوگی۔

میں نے لو کر لینی کے بھنگا لیجانے کی ایک غیر معمولی تصویر باٹلڈم پبلش میں دیکھی۔ جو کہ میرے راہ نمائے دکھائی تھی۔ جبکہ دنیا کے ایک مشہور نقاش نے بنایا تھا۔ واقعی یہ فن نقاشی کا ایک قابل ستائش نمونہ تھا۔

ہندوستان کی خوردسال بواؤں کا حوالہ دیتے ہوئے مس ہوسند کے طور پر ہما تما گاندھی اور لالہ لاجپت رائے کو پیش کرتی ہے۔ مؤخر الذکر ایک نثرانیت پر مبنی کار آزمودہ سوشل لیبارمر ہے۔ جو امریکہ میں قریباً دس سال تک رہا ہے۔ اور فکرت چینی کرتی ہوئی لکھتی ہے۔ کہ انہوں نے اپنا جوانی کا عالم کس قدر شہوت انگیز فضا میں گزارا ہے۔ کوئی شخص اسکی اس عبارت کو بڑھکے اور سوچے ہرگز صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ ہما تما گاندھی نے اسکی تحریر حوالہ اور نتیجہ کو دیکھ کر

تردید کر دی ہے۔

کچھ بھی ہو۔ مگر یہ بالکل غلط اور سراسر غلط ہے۔ کہ ہندو بیوائیں سوسائٹی کیلئے سخت خطرناک اور تباہ کن ہیں۔ یہ کس قدر ناقابل عفو باگل بنا دیوالا اور کینسہ جرم ہے۔ کہ اگر ہم یہ کہیں۔ کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بہت سی نمبین ایسی ہیں۔ جو خطرناک اور خراب ہیں۔ اور جن کے واقعات نراب صورت میں آشکار ہو رہے ہیں۔ ہندو بیواؤں کا مشرق میں ایسا ہی ماحول ہے۔ جیسا کہ مغرب میں نموں کا۔ ہر دو براغظموں میں ان کے قیام دروزی کے ایک ہی جیسے حامی ہیں۔

نیچ لینڈ سے اپنے ملک کی شادی اور طلاق کی کیفیت لکھتا ہے۔ اسلئے بعد ازاں شمار کر دینے کے قابل ہیں۔ ڈینور کے نصف مغربی شہر میں ۱۹۲۲ء کے دوران میں ایک شادی کے لئے ایک طلاق ہوئی ہے۔ شادی کے لئے دو عطا کردہ اجازت کے پہلے ایک طلاق نامہ کی درخواست بھی فائل کی گئی۔ نیچ لینڈ سے کہتا ہے۔ تمام ملک کے بڑے بڑے شہروں کی نسبت ڈینور کوئی زیادہ خراب نہیں۔ طلاق کی نسبت جدید شمار سے تیار کر چکی ہے۔ پانچ سال قبل چار شادیوں میں ایک طلاق تھی۔ مگر اب دو سے چار ہوتے ہیں ۱۹۲۲ء کے دوران میں ۱۱ اکتوبر تک کل ۹۵۹ شادیوں میں سے ۱۹۲۴ء اطلاق نامے فائل کئے گئے۔ اس لئے شادیوں میں طلاق ۴۹۰۵ کی نسبت سے ہوئی۔

ذیل میں طلاق نامہ اور شادی کی نسبت جو ۱۹۲۴ء میں رہی درج کی جاتی ہے۔

نام شہر	نقد ازدادی	نقد اطلاق
اٹلانٹا	3350	1845
لاس اینجلس	16605	7882
سن سٹین شہر	4821	2400
ریاست اوہیو	53300	11885
ڈیونر قریب	3000	غائب شدہ 1500

جب کوئی دیکھتا ہے کہ مس میو کے لکھے ہوئے حالات اس قدر رقت انگیز نہیں۔ جس قدر کہ اُس کے اپنے ملک کے حالات جو کہ صحیح لکھتے ہیں۔ تو اُس کے دل میں قدرتا یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اُس کی زبان سے فحشہ یہ فقرہ نکل جاتا ہے۔ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے۔ مگر اپنی آنکھ شہر پر بالکل دھیان نہیں۔ اس لئے ہر شخص کو لازم ہے۔ کہ اپنی ہی دہلیز سے ٹھوکر نہ کھائے۔ سب سے پہلے اپنے نقائص کو رفع کرے۔ جب وہ بالکل رفع ہو جائیں۔ تو اس کے بعد وہ دوسرے کی خامیوں کو بکڑنیکا حقدار ہو سکتا ہے۔

چھٹا باب

عورت اور پردہ

امریکن سیاح صرف بدگوئی کیلئے ہی آئی ہے۔ وہ عورتوں اور مردوں کی چٹخ پکار بہہ رہتی ہے۔ وہ کوشاں ہے۔ کہ تمام کے قلوب پر یہ نقش کیا

جائے۔ کہ ہندوستانی مستورات پردہ اور چار دیواری کی حدود میں غلام بنا کر رکھی اور عقید کی گئی ہیں۔ ہندوستان کی قدیم کتب کا حوالہ دیکر وہ ہندوستانی مستورات کے پردہ میں رہنے کو بے وقوفی اور نا انصافی سے تشبیح دیتی ہے۔ واقعی پردہ ایک ناجائز الحفظ شے ہے۔ کوئی فرد نہیں کہہ سکتا۔ کہ پردہ سے حفاظت نہیں ہوتی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کہ پردہ میں رہنے والی عورتیں غلاموں سے بدتر ہیں۔ اس حال میں بھی عورتیں امور خانہ داری میں ملکہ کا سادرجہ رکھتی ہیں۔ اور حالات کے ماتحت مانند مغربی عورتوں کے ورزش میں کسی صورت میں بھی کم نہیں۔ علوٰی اسکے تمام ہندوستانی مستورات پردہ میں نہیں رہتیں۔ جس شخص نے بھارت مانا (مدر انڈیا مینسف مس میو) کو بڑھا ہوگا۔ وہ یہی خیال کر لیا۔ کہ یہ عہد خوفناک رسم تمام ہند میں پھیلی ہوئی ہوگی۔ مگر اصل حالات کیا ہیں؟۔ پردہ گاؤں کی نسبت قصبوں اور شہروں میں اور ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں میں اور نصف شمالی ہند میں زیادہ ہے۔ جنوبی ہند کے ہندوؤں میں پردہ بالکل نام کو نہیں۔ مالا بار میں عورتیں مغربی عورتوں سے نسبتاً زیادہ حقوق رکھتی ہیں۔ وراثت مردوں کے نہیں بلکہ عورتوں کے حصہ میں آتی ہے۔ مالا بار میں ماں کا باپ کی نسبت حق زیادہ ہوتا ہے۔ ملائی عورتوں کی آزادی دیکھ کر مغربی عورتیں آتش رشک میں جلنے لگتی ہیں۔ ملائی کی مستورات آزادی کی حدود پر پابند اور نہایت عمدگی سے آزادی کے اصولوں پر کار بند ہیں۔ مگر ہوشیار کنندہ مس میو کہتی ہے۔ کہ اگر کوئی ہندوستانی عورت ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں جائے تو ضرور وہ کسی کی مشہوت رانی کا شکار ہو جاتی ہے۔ آدمی انسانی لباس میں شیطان ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ اس نتیجہ پر کیسے پہنچی؟۔ وہ چند خورد سال طالب علم لڑکیوں سے

ملی۔ لڑکیاں اسقدر چھوٹی اور نادان تھیں۔ کہ وہ آدمیوں کے متعلق کوئی اپنی رائے قائم نہ کر سکتی تھیں۔ مس میو نے ان سے کہا۔ کہ کیا تم گاؤں میں استانی ہو کر جا سکتی ہو۔ خورد سال لڑکیوں نے جنگی تمام عبرتوں میں ہی گزری تھی۔ اور جنہیں یہ وہجات ڈالے گئے تھے۔ کہ باہر نکلنے سے جن بھوت پریت پگھلینگے۔ کہا۔ توبہ تو بہ ہم ہرگز باہر جانکی جرأت نہیں کر سکتیں۔ مس میو کہتی ہے۔ کہ انہوں نے کس جرأت سے کہا۔ کہ ہم سے وہ یعنی آدمی اپنی شہوت پوری کر سکتا۔ اور کہتی ہے۔ جہاں تک آدمی کا زور لگتا ہے۔ ہندوستانی عورتوں میں بچہ پیدا ہونیکا زمانہ بغیر کسی خاص حفاظت کے محفوظ قائم نہیں رہ سکتا۔ عورت کا مقام ہے۔ کہ اس پر بھی سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں عورتیں میدانوں اور گاؤں میں کام کرتی ہیں۔ وہ جنگلوں میں لکڑیاں اور گھاس کاٹنے کی غرض سے جاتی ہیں۔ اعلیٰ طبقہ کی مستورات اپنے کام کی دیکھ بھال کیلئے بغیر حفاظت کے ہرگز باہر نہیں جاتیں۔ ان مقامات پر جہاں کہ پانی کی قلت ہے۔ عورتیں تنہا دور کے کنوؤں اور ندیوں سے بلا خوف و خطرہ پانی لاتی ہیں۔ مشرق کے آدمی مغرب کی طرح بہت شوقین مزاج نہیں ہیں۔ اگر کوئی ہندوستانی سیاح شکاگو نیویارک اور سین فرانسسکو کے درجنوں زانا بالجبر کے مقدمات ہو کہ خورد سال لڑکیوں سے ہوئے۔ بچا اکھٹے کرے۔ تو اس پر بلا عذر یا ستہائے متعہ امریکہ کے ان لوں کہ اخلاق کا پردہ فاش ہے۔ جائے۔ بغرض محال مس میو کا کہنا مان لیا جائے۔ کہ ہندوستانیوں کا مذہب ہی زنا کرتا ہے۔ تو اس صورت میں ہندوستان کے جیلوں میں لاکھوں کی تعداد میں مجرموں کے ہونی سے بالکل جیل خانے بھر جانے چاہئیں۔ ہندوستان کے مرد وزن ہر اور سمندر میں۔ دریاؤں میں اور آبادی کے قریب

دلے تالابوں میں ایک جگہ غسل کرتے ہیں۔ کوئی ہندو ایسا نہیں ہے۔ جو صبح
 اٹھ کر منہ ماتھ نہ دھوتا ہو۔ اور اپنا روزانہ کا غسل نہ کرتا ہو۔ ایک منتر پڑھ کر
 عورتوں اور لڑکیوں کو برائشیں اور آسٹینڈ میں بچا غسل کرنا ہوا دیکھتا
 ہے۔ تو اس پر کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ تو ہمیں ہندوستان جیسی حالت ہے۔
 مگر صرف انگ۔ ڈھائیواہوں کے رنگ کا فرق ہے۔ ہندوستان کے پرانے تھوڑے اور
 میلے کوشے ہیں۔ جن میں عورتیں مانند زیور کے ہیں۔ اور آدمی چند بخود ان کی
 طرف کچھ جلتے آتے ہیں۔

اصلی معنوں میں تعلیم یافتہ ہندو آدمی ہرگز بدہ کو لعنت نہیں قرار دے سکتا۔
 بدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے وقت سے آیا ہے۔ اور یہ اس
 تک شمالی ہند میں پایا جاتا ہے۔ اس میں تمام ذمہ داری لوگوں کی ہو رہی ہے۔
 صرف تعلیم ہی ایک ایسی شے ہے۔ جو بدہ کی تار بچی کو روشن کر سکتی ہے۔ وہ
 روپیہ جو لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کیلئے چاہئے تھا۔ وہ بہیرنی فوجوں پر صرف
 کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اگر تھوڑا سا روپیہ باقی بچا۔ تو اس سب کو لوگوں
 کی حالت کیسے روشن ہو سکتی ہے۔ اور قومیں کیسے ارتقا کے منازل پر پہنچ سکتی
 ہیں۔ مسٹر ایچ۔ ایم۔ ہنڈین کے الفاظ ملاحظہ ہوں :-

”کہنے کو تو کہا جاتا ہے۔ کہ ہندوستان انگریزی اقتدار کے ماتحت ہے مگر
 تمام سالانہ آمدنی میں سے ہم صرف ایک پینس فی کس تعلیم کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ او
 تمام آبادی کا ایک فیصدی حصہ سکولوں میں جاتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے
 ترقی پزیر نام ہی رہی ہے۔ روس کے ملک میں جو کہ بہت ہی غریب اور
 دنیا کے دیگر ملک سے ابھی بہت پیچھے ہے۔ ساڑھے سات پینس فی کس

تعلیم کیلئے خرچ ہوتے ہیں۔ اور بچے جو سکولوں میں جاتے ہیں۔ آبادی کا چوتھا
 اور پانچواں فیصدی حصہ ہیں۔

مگر امریکن مصنف کہتی ہے کہ ہندوستان فی تعلیم کیلئے روپیہ صرف کرنے
 پر رشتہ مند نہیں۔ رضامندی تو درکنار پیسہ دے ہی نہیں سکتے۔۔۔۔۔ جب کوئی
 ہندوستان میں آکر دیکھتا ہے۔ تو تجارت مائیکے اخراجات دیکھ کر انکشت
 بدندان رہ جاتا ہے۔ مسٹر۔ ہڈلین کہتا ہے۔ "لارڈ کورن۔" ہندوستان میں
 کی آمدنی کا اندازہ دو پونڈ سالانہ سے زیادہ نہیں لگایا۔ ایک اور انگریز کا
 تخمینہ ہے۔ کہ ہندوستان کے کاشت کاروں کی ایک شتنگ اور چھ پینس
 اور سا آمدنی ہے۔ مس۔ میو ہندوستانیوں کو بجائے فنڈ کی کمی کے تعلیم اور
 استادنوں کی کمی سے غموں میں مبتلا کرتی ہے۔ ہندو دگر دعاوی کے یہ دعوے بھی مس
 "ہندو" کا بہت ہی بوجھ ہے۔ ہندوستان میں ہر سال درمیانہ طبقہ کے ہزاروں
 تعلیم یافتہ آدمی یونیورسٹیوں سے فراغت پا کر بیکاری میں اضافہ کر رہے ہیں۔
 درمیانہ طبقہ میں یہ بیکاری روز بروز ایک نئی مصیبت میں اضافہ کر رہی ہے۔ اور یہ
 سیاسی بے چینی میں کولوں پر تیل کا کام ہے رہی ہے۔

ہندوستان فی تعلیم کے اس قدر گراں مگر آسان ہونیکے باوجود اس قدر جہالت
 کی تاریکی میں غرق ہے۔ ہندوستان میں لوگ زمانہ تاریخ سے گاؤں میں رہتے
 ہیں۔ کیا ڈیڑھ سو برس کی برطانی حکومت نے ہندوستان کی حالت درست
 نہ کی؟ "میرے وطن میں برطانیہ ایک سو سال سے کیا کر رہا ہے۔ کہ اب
 تک اسکی وہی حالت ہے؟۔" امریکن سیاہ سے ایک جٹھیلین نے دریافت
 کیا۔ جو کہ مقدمہ تھا۔ بلکہ گورنمنٹ کا نہایت جاں نثار اور ہندوستان میں

اعلیٰ شخصیت کا آدمی تھا۔ دریافت کیا۔

مس میو ہندوستانی مستورات کے بزدلانہ طرائق پر غور کر کے نہایت خوش ہوتی ہے۔ اور ان میں سے پردہ میں رہنے والی جماعت پر پھپھتیاں اڑاتی ہے۔ وہ ہندوستانی اشیاء کو امریکن عینک سے دیکھ کر اپنی نادانی کا اظہار کر رہی ہے۔ اگر کوئی شخص الگ تہذیب کے ماتحت مدت مدید تک رہنے والے انسانوں کی زندگی اور حالات کا ملاحظہ کرنا چاہے۔ تو اُسے چاہئے۔ کہ پہلے انصاف اور صداقت کی مشق کرے۔ ایک زاہد نے کسی خانقاہ کے بزرگ سے دریافت کیا۔ ”یہ کیا بات ہے۔ کہ مجھے ایک مافوق الفطرت ہستی ٹھیکرل اور سخی ہونے نہیں دیتی“ اس کے جواب میں بزرگ نے حقارت آمیز مگر تاملانہ لہجے میں کہا۔ ”مافوق الفطرت ہستی مت کہو۔ بلکہ یہ کہو۔ کہ میں خود ٹھیکرل اور سخی ہونا نہیں چاہتا“ یہی حالت امریکن مصنفہ کی ہے۔ جس کے ماتحت اُس نے اپنے خیالات کو قلمبند کیا ہے۔

ساتواں باب

ہندوستانی مستورات۔ حقیقی واقعات

بنگال میں کالی دیوی کے مندر میں بکرے کی قربانی کے متعلق مس میو نے نہایت خوفناک تصویر دکھائی ہے۔ اور اسکے بعد وہ نہایت برے بہتان کی جانب بڑھتی ہے۔ میں نے ہندو استری کے متعلق ایسا کبھی نہیں پڑھا۔

مس ہو لگتی ہے۔

”قربانی کرتے وقت خون فوارے کی طرح فرش اور گھڑیاں پر جا پڑتا ہے۔ جو کہ کالی دیوی کے سامنے ہے۔ اسی اثناء میں اُسی وقت ایک عورت جو کہ قربانی کرنیوالے کے عقب میں کھڑی ہوتی ہے۔ فوراً فرش پر گرے ہوئے خون کو اپنی زبانی سے چاٹتی ہے۔ اسلئے کہ دیوی اُسکو بچہ دیکھی۔۔۔ کالی کے بچاریوں میں ہر قسم اور ہر طبقہ کے ہندو شامل ہیں۔“

کلکتہ کارڈ میورسٹر سین گپتا بیرسٹر ایت لار نے ایک پبلک میٹنگ کے دوران میں اس قابل الزام تحریر کی زد سے تردید کر دی تھی۔ انہوں نے کہا۔ کہ بکرے کی قربانی تو بالکل درست ہے۔ مگر یہ کہ عورت بچے کی اسید پر خون چاٹتی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ رہا بکرے کی قربانی کا سوال۔ سو ہندوستان میں زندگی کے ہر شعبے میں مذہب ہی کا نفوذ ہے۔ باورچی خانہ بالکل ندارد۔ قربانی صرف اس غرض سے دی جاتی ہے۔ کہ دیوی اور دیوتا ہماری عبادت کو قبول کریں۔ اور خوش ہوں۔ امریکہ میں حیوان بلا کسی پڑھنے کے کاٹے جاتے ہیں۔ میں ایک برہمن چاراجہ کو جانتا ہوں۔ جو ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کھایا کرتا تھا۔ مگر قبل اسکے کہ وہ گوشت کو کھا شروع کرے۔ وہ ہمیشہ بوجھ لیا کرتا تھا۔ کہ ذبح کرتے وقت پڑھا گیا تھا۔ یا نہیں۔ اسلئے کہ پڑھنے سے ذبح کردہ حیوان کی روح کی فطرت ہو جاتی ہے۔ ہندو دھرم کے مطابق حیوان بھی روح رکھتے ہیں۔ اسلئے گوشت خور اصحاب مذہب اور ضمیر کے مطابق یہ غور کریں۔ کہ انکی نجات کیلئے کچھ نہ کیا جائے۔ یاد رہے۔ کہ ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں گوشت کے نہ کھانے والے کر دھرم کی تعداد میں موجود ہیں۔

مس میو نے کتاب شروع کرتے ہی کالی گھات کی قربانی کے متعلق جو طرز اختیار کی ہے۔ وہ منحرف کرنیوالی ہے۔ غریب کبرے کی قربانی واقعی بری رسم ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے ہندو ایس رسم کے قائل نہیں۔ جیسا کہ وہ خود تسلیم کرتی ہے۔ کہ وہ تو وشنو کے پیرو ہیں۔ اس کا یہ کہنا کہ کالی کی قربانی اور نذر کرتے وقت عورت بچہ کیلے کبرے کا خون اپنی زبان سے چاٹتی ہے۔ اس کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ بالآخر بن کیئے ہندوستانی مستورات کس قدر قبیح فعل کی مرتکب ہوتی ہیں۔ ہلیہ آئی سینٹ یہ کہتی ہیں۔ کہ مس میو نے یہ نہ لکھا۔ اور شاید نہ جانتے ہوئے لکھا۔ اسلئے اس کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ کالی کے ماننے والے خونی قربانی میں ہرگز حصہ نہیں لیتے۔ جبکہ ایسی قربانیاں انگریزی راج میں ہونے لگیں تو رٹانکور کی حکومت نے فوراً بند کر دیا۔ ایک اور مرتبہ اسی طرح کا ہندوستانی کونسل میں سوال اٹھا۔ کہ آپس میں رضا مندی ہو جائے۔ مگر گورنمنٹ نے اس سوال کو باطل کر دیا۔ آپس میں صلح کی یہ سیدیاہ ہوئی۔ اور یہی آزادی کی ضروری تعلیم تھی۔ ہندوستان کے لئے یہی پاس ہو گیا۔ اور صلح کن مجلس قانون ساز نے ہی راج کر دیا۔ کہ قربانی بند نہ کی جائے۔ ہمیں ہندوستان کے اس قربانی کے بند کرنے کی نظر رجوع ہونا چاہیئے۔ جب تک بیرونی ممالک کے گوشت خور ہندوستان میں ہیں۔ اور ان کے ذبح خانے کھلے ہیں۔ اس وقت تک وہ قربانی کو کیسے بند کر سکتے ہیں۔ جو کہ انکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہیں۔

مس میو کی کتاب ۔۔۔ بول بول جوں پرٹھو۔ زیادہ ہی مکروہ اور عیب جوئی بھری نظر آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنفہ کو منظور نظر صرف گندگی ہی ہے۔ کیا کبھی اس نے موجودہ تہذیب کو نظر انداز کر کے کوئی ۹ ہزار برس کی تہذیب پر بھی نظر

دوڑائی۔ جبکہ مثلث کا سلسلہ تھا۔ جبکہ ہندوستان میں ہندو دھرم نہایت اعلیٰ شان پر تھا۔ جبکہ بعد ہندوستان نے خود ہی اپنا گلا گھونٹ لیا۔ اب بھی ہندوستان کا مستقبل نہایت شاندار نظر آ رہا ہے۔

ایلیہ مسٹر بہت جوانی قربانی کے خلاف ہیں۔ مس میو بھی ان کی ہنوا ہے۔ مگر مس میو تو ایس قربانی میں سب ہندو جماعت کو شریک کرتی ہے۔ حالانکہ یہ ایسا نہیں۔

ہندو بیواؤں سے جو سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اس کی بابت مس میو اپنی کتاب میں۔ میں مس کارنیلیا سوراب جی کے تحریر سے نقل کر کے لکھتی ہے۔ غور کیجئے۔ اسکے نام سے ہی اسکے خیالات کا اظہار ہو جاتا ہے۔ نام سے مس کارنیلیا پارسی عیسائی معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہ حضور ملکہ معظمہ و کٹوہ کی اُس بالیسی پر نظر کرتی۔ جو انہوں نے غیر ہندوستانیوں کیلئے منظور کی تھی۔ تو ہرگز یہ غلط خیالات اپنی کتاب میں نہ لکھتی۔ مس میو اگر خود جانتی ہوتی۔ کہ ہندو بیواؤں کے حالات معلوم کرے۔ تو بجائے پارسی عیسائی کے وہ اچھے ہندو گھرانوں میں جاتی۔ اور کیشم خود حالات کا ملاحظہ کرتی۔ مس کارنیلیا کی کتاب سے جو عرصہ ہو ہندوستان میں شائع ہوئی بند ہو چکی ہے۔ حالانکہ بڑھکھ اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر ہندو بیواؤں کی حالت ذیل کے الفاظ میں رقم کرتی ہے۔

”خاوند کی وفات کے وقت سے اپنے آخری دم تک وہ شرم میں اپنے گناہوں کا کفارہ دیتی رہتی ہے۔ اپنے ہر خیال کی غلام اپنے روح کی نازگی اور خدمت کیلئے تکلیف اٹھاتی اور اپنی قربانی کرتی رہتی ہے۔ خواہ وہ تین سال کا بچہ ہو۔ اور یا اصلی معنوں میں عورت ہو۔ جس نے اپنے خاوند

کی صحبت کا لطف اٹھایا ہو۔ ہر حالت میں اسکی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے۔
خاوند کی وفات کے وقت سے وہ ایک فال بد اور خلقی مجرم قرار دی جاتی ہے۔
مس سورا ب جی لکھتی ہے۔ کہ وہ اپنے مرحوم خاوند کے عوض میں ایک
نہایت ہی کمینہ عورت خیال کی جاتی ہے۔

مس میو لکھتی ہے۔ "اُن حالات سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ مگر اُن حالات
کو متزلزل اور غلط نہیں کیا جاسکتا" کیا عقل سلیم ہے۔ کہ ایک تین سال
کا بچہ اپنے خاوند کے ساتھ ہے۔ اُن تحریروں کو غلط اور اُن سے انکار ہو
سکتا ہے۔ جیسا کہ مس میو خود اپنی تحریر کو نہیں مانتی۔ اور خود اسکی عقل سلیم اس
بات کو نہیں مان سکتی۔ مس میو اور مس سورا ب جی کی تحریروں کا مقابلہ کیا جائے
تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ غیر مندرجہ مستورات راسخ الاعتقاد ہندو خاندانوں کی اندرونی
حالت سے کیسے واقف ہو گئیں۔ ایک لائق ہستی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

موز خاندانوں میں بیوہ لڑکیاں اور بہنیں تمام گھرانے کیلئے نہایت ہی
لاڈلی ہوتی ہیں۔ اور بیوہوں کی نسبت اُن سے زیادہ پیار کیا جاتا ہے۔ ہو
تو ایک دوسرے، خاندان کی آئی ہوئی عورت ہوتی ہے۔ یہ لکھتا کہ ہندو
بیواؤں سے ناروا سلوک رکھا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ یورپ
میں عورتوں کو خاوند نہیں ملتا۔ اور انکا بُرا حال ہوتا ہے۔ اور ہندوستان
کیلئے یہ بالکل غلط ہے۔ شادی شدہ زندگی بھی اسی قدر اور اُنہی تکلیفات
سے لبریز ہوتی ہے۔ جن سے کہ بیوہ عورتوں کی زندگی۔ اور مستورات
مانند آدمیوں کے خواہ بیوہ ہوں یا شادی شدہ ہمیشہ اور ہر حالت میں خوش
حرم رہ سکتی ہیں۔ بشرطیکہ اُنہیں حقیقی اور اعلیٰ التعلیم کے ساتھ اپنے ہم

جنسوں کی خدمات کا بھی موقع دیا جائے۔“

ہندو بھواؤں کی نہایت احتیاط سے خبر گیری کی جاتی ہے۔ نہایت عمدہ سلوک کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انکا دوبارہ نکاح ہو جائے۔ دوبارہ شادی کی مخالفت صرف برہمنوں میں ہی ہوتی ہے۔ جو کہ تمام آبادی کا بہت ہی حقوڑا حصہ ہیں۔ مگر دوبارہ شادی کا کرنا زمانہ قدیم سے اب تک دوسری قوموں میں ہی چلا آیا ہے۔ مگر بعض اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ عورت مرحوم خاوند کی یاد میں دوبارہ شادی نہیں بھی کرتی۔ اور بعض کا تو مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر دوسری شادی کی تو ان کے بچوں کی تکالیف میں اضافہ نہ ہو جائے اور وہ انہیں باتوں کو سوچ کر دوسری شادی نہیں کرتیں۔

اسفل قوموں میں دوسری شادی ایسی عام ہے۔ جیسی کہ آجکل امریکہ میں ستودہاں میں بھواؤں کا نکاح مانڈیورپ کے عام ہے۔ مگر اعلیٰ ذاتوں میں مثل کشتری اور ویشاں میں یہ رواج بہت کم ہے۔ تعلیم یافتہ برہمنوں میں اب کنواری مگر بیوہ کی شادی کا رواج ہو چلا ہے۔ یہ رسم انہوں نے آریوں سے اخذ کی ہے۔ ہندوستان کے نہایت ہوشیار اور قابل جرنلٹ مسٹر کے نیر جان نے گزشتہ چالیس سال سے اصلاح کی طرف توجہ کی ہے۔ اُس نے برہمنوں میں سے قابل اور تعلیم یافتہ اسباب کی ایک جماعت مقرر کی ہے۔ اس جماعت میں بہت مغزز اور لائق آدمی شامل ہیں۔ جن میں سے ایک رائٹ آنریبل سر شاستری ہیں۔ جو آجکل جنوبی افریقہ میں ہندوستان کے سفیر ہیں۔ نیر جان اور اسکی شاستری سائنسی کی اصلاح کی جانب سے ہونے بالکل توجہ نہ کی۔

راسخ الاعتقاد اور اعلیٰ برہمن خاندانوں میں جہاں کہ بواؤں کا نکاح خانی نہیں کیا جاتا۔ بواؤں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ ایسا اچھا جیسا کہ امریکہ میں بوڑھی کنواریوں سے کیا جاتا ہے۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ بیس برس سے زیادہ عمر کی کنواری اور دوشیزہ بہت کم ہیں۔ اور بوڑھی کنواریاں تو قریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہندوستان کی مردم شماری میں کنواری عورتوں کے اعداد شمار نہیں دئے گئے۔ کیونکہ میرا کہنا حفاظت سے خالی نہیں۔ مردم شماری کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بسترہ اور اٹھارہ برس کی کوئی عورت غیر منکوحہ بدکار نہیں۔ اور اسی طرح کوئی مرد بھی غیر شادی شدہ نہیں۔ مگر سوائے بیارونکے۔ اگر ہندوستان کی فضاء مس میو کے خیال کے مطابق بواؤں کی وجہ سے خراب ہے۔ تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امریکہ کی فضاء غیر منکوحہ ماؤں اور کنواریوں سے خراب اور زہریلی ہو چکی ہے۔

مس موصوف کی دروغ بیانی دیکھئے جس میں کہ اُس نے ہندوستانی ستورات کے ساتھ سلوک اور ان کا سوسائٹی میں درجہ بیان کیا ہے۔ کاش وہ اس قدر کوتاہ نظری سے کام نہ لیتی ہوئی اپنی ہی ہم جنسوں کی حالت کا پہلے اندازہ کر لیتی مگر اُس نے ہندوستان سے بہت کم دیکھا ہے۔ بلکہ اس نے دوسری کتب سے بہت سا مواد ہم پہنچایا ہے۔ وہ کتب جن سے اس نے معلومات حاصل کی ہیں۔ سب غلط بیانی پر مبنی ہیں۔

مس میو کے بیان کے مطابق کہ ہندوستانی عورتیں پردہ کی حدود میں نہایت بدعتی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ان کا سوسائٹی میں کوئی درجہ نہیں اور نہ انہیں زندگی سے کوئی دلچسپی دکھائی جاتی ہے۔ اور نہ انہیں کوئی ملکی

محاملات سے لگاؤ ہے۔ ایک انگریز کے خیالات سے اُس کے خیالات کا موازنہ فرمائے۔ لکھتا ہے۔

”میں ایک خاتون سے ملا۔ میرے خیال میں پنجاب بھر میں وہ نہایت ہی ذی اقتدار و ذی اختیار عورت تھے۔ جو کہ سا لہا سال سے ایک آرہی پٹری پاٹھشالہ میں ہیڈ ماسٹریس کے عہدہ پر کام کر رہی ہے۔ آرہی سماج سکولوں کا مقصد قوم کو مدد دینا ہے۔ وہ ایک لحاظ سے حرف گیری و نقطہ سنجی کیلئے کھولے گئے ہیں۔ اور اُن کے عیب جو یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ اصلی تعلیمی مرکز ہیں۔ اُن کا تعلق عدم تعاون اور ملکی محاملات سے بالکل الگ ہے۔ ہیڈ ماسٹریس خود ایک نہایت قابل اور ہوشیار ملکی مدد تھی۔ مگر بالکل قومی رنگ میں۔ خاتون نے مجھے بتایا کہ جب سے میں نے سکول کا انتظام ہاتھ میں لیا۔ کوئی ایسی لڑکی نہیں۔ کہ جسکو قومیت کی معلومات نہ ہوں۔ سکول چھوڑنے سے پہلے ہی سب لڑکیوں کو ہتھار کر دیا جاتا ہے۔ اُس نے اعتراض کیا۔ کہ ۱۹۱۹ء تک اکثر لڑکیوں نے سکول کے چھوڑنے کے بعد ملکی محاملات میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ مگر ۱۹۱۹ء سے ہوا بالکل بدل چکی ہے۔

”آرہی سماجیوں نے تمام پنجاب میں لڑکیوں کے سکول کھول دیئے ہیں۔ اور اس سکول سے مدرس تعلیم پا کر دوسرے سکولوں میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور یہ فرق فوراً معلوم ہو جائیگا۔ مگر ابھی تک عورتوں کی جانب سے ملکی محاملات میں کوئی تیزی واقع نہیں ہوئی۔ اخبارات نے کامیوں کو حد سے زیادہ بڑھا کر لکھنے کی جانب رجوع کیا ہے۔ آدمی اُن کو میدان عمل میں لانے کے لئے بہت بے چین نظر آتے ہیں۔ جہاں کہ وہ کچھ مدت بعد پہنچ جائیں گی۔ مگر فی الحال کوئی

نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں گجرات میں دو مدبر عورتوں سے ملا۔ وہ ملکی معاملات میں اس لئے دلچسپی لیتی تھیں۔ کیونکہ اُن کے باپ بھائی اور خاوند ملکی مدبر تھے۔ میں یقیناً کہتا ہوں۔ اور یہ سچ ہے۔ کہ تمام مستورات مسٹر گاندھی کی بجاڑی ہیں۔ مگر اُن کو اُس سے جنت ملے مدبر کے دلچسپی نہیں۔ بلکہ وہ اُسے ایک دلی خیال کرتی ہیں۔ باد و دلی میں نے ایک شے دیکھی۔ کہ جس کا میرے دل پر نقش ہوا۔ وہ یہ کہ ہم ایک برہمن کے گھر بیٹھے ہوئے گاؤں والوں کے سواج سکی بابت خیالات سن رہے تھے۔ میں نے دیکھا۔ کہ ایک بیوہ عورت سب باتوں کو ہمہ تن غور سے سن رہی تھی۔ اُٹھنے سے قبل میں نے پوچھا۔ کہ شاید وہ کچھ کہے مگر اس نے بات کرنے سے انکار ظاہر کیا۔ مگر اُس نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ جو کہ ذرا سخت زبان تھا۔ اور کہا۔ جو کچھ یہ کہے میں اس سے متفق ہوں۔“

”مگر گجرات کی عورتیں مردوں کی نسبت کھدر کے پہننے پر بہت کم تیار ہیں۔ پنجاب کی تعلیم یافتہ جماعت کی مستورات اپنی گجراتی بہنوں سے ایک بالشت تلگے ہی ہیں۔ ایک گاؤں میں میں نے بہنوں کو کھدر میں ملبوس دیکھا۔ دیگر مقامات پر میں نے سنا ہے۔ کہ ہندوستانی آفسروں کی بیویوں کو کھدر بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اُس وقت جبکہ وہ کسی ترقی کو عمل جامہ پہنانے کیلئے مضطرب ہوں۔ گجرات کے لڑکیوں کے سکول کی ایک انگریز خاتون نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ سکول کی فضا میں نہایت ہی درد انگیز انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ اسکی شاگرد لڑکیاں جو کبھی اس سے دوستانہ برتاؤ کیا کرتی تھیں۔ اب نہایت مخالف و بدگمان ہیں۔

”یہاں تک ترقی کی تکمیل ہو چکی ہے۔ مگر حید سال گزرنے کے بعد ہندوستانی

قومیت کی سب طاقتیں حتیٰ کہ گاؤں میں بھی برسرِ بیکار نظر آئیگی۔
 بعد کی صحیح اطلاعات سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ میں ابھی تک ہندوستانی
 مستورات کی ملکی معاملات میں خصوصاً گاؤں کی مستورات کی دلچسپی کا
 اندازہ ہی نہ کر سکا۔ اور اس طرف ترقی کے میدان میں سکھ عورتیں خاص طور
 پر قابل ذکر ہیں۔ دیگر جگہوں میں ملکی معاملات میں حصہ لینے والی عورتوں مردوں
 کی نسبت زیادہ سنگدل اور کڑوی ثابت ہوئی ہیں۔

آٹھواں باب

غلطی اور مبالغہ آرائی
 مس میو کے خیال کی اصلیت کی اکثریت کو سمجھنے کیلئے ایک انگریز
 کو راسخ الاعتقاد مشرقی کاروبار پھرنا پڑتا ہے۔ نمائشی پردہ دار عورت
 نسلی غرور سے معمور قومی تہذیب میں ڈوبی ہوئی۔ اپنے آپ کو سب سے اونچا
 ثابت کرنی ہے۔ اُس وقت جبکہ وہ خوشحال اور تیز رو مغرب کے رسم و
 رواج سے آگاہ ہوتی ہے۔ خیال سمجھیے جب وہ کسی اخبار میں نہایت مؤثر
 اور ہر دلعزیز خبر پڑھتی ہے۔ تو وہ جوش سے نیم باگل ہو کر نتیجہ اخذ کرتی ہے۔
 کہ تمام انگریز خاندانی ادبائش۔ چورلیٹر سے اور قاتل ہیں۔ پھر وہ لندن کے
 ایک ٹھیکر میں جاتی ہے۔ اور سب سے روشن کھیل رو فٹ بال کھیتی ہے۔
 جس میں موجودہ شاوی کی رسوم کے نقصانات دکھائے گئے ہیں اور گلیوں

جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اب دُشترِ عورت علی الاعلان کہتی ہے: ”تمام مغرب بد اخلاق۔ دھوکے کی ٹٹی اور دردناک امراض کی جڑ ہے۔ یہ مشرق کی تہذیب سیدھے ایک عظیم خطرہ ہے۔ سوشل بائیکاٹ اور نہایت سختی سے علیحدگی ہی سے مشرق محفوظ ہو سکتا ہے“

مس میو ہندوؤں کے سروں پر شہوت کو اُکسانے والے قومی نشان دیکھتی ہے۔ اور اُسکا مشرقی مقلد برہمنہ گردن۔ ننگی بانہیں اور چھوٹے کرتے کو دیکھ کر مضحکہ آمیز چوچہ پھینکتا ہے۔ ہندوستان میں عورتیں بہت سے کپڑے پہنتی ہیں۔ اور ہندوستانی لڑکی کی ایک ساڑھی چار امریکن لڑکیوں کے لباس بنانیکے کافی سے زیادہ ہے۔

میں۔ بی اینڈ ایکینی کے راؤلینڈی نامی جہاز میں جب انگلینڈ آ رہا تھا۔ اُس وقت ایک نظم کا مقابلہ چل رہا تھا۔ میرے ایک انگریز ہمراہی مسافر نے اُس کو جینا۔ اُس نے اپنے مضمون میں ہوا کی بلندی اور کوتاہ کرنے کو نظم میں باندھا۔ ایک نوجوان ہندوستانی نے جو شاید پہلی مرتبہ یورپ جا رہا تھا۔ اپنے ہمراہی سے سرگوشی کی اور کہا۔ کہ کیا لطف ہے۔ دوسرے نے جو کہ بُرا نا مسافر تھا۔ نہایت عقلمندی سے جواب دیا۔ ”ہر قوم کا اپنا اپنا دستور ہے۔ ایک قوم کی رسم دوسری کیلئے ٹھیک نہ ہوگی۔ مگر ہر قوم کی رسم اُس میں اچھی لگتی ہے“ مغربی شہروں کی گلیوں میں ہی مرد و زن کا ملنا اور ہر قسم کی کھلم کھلا باتی کرنا ایک عام بات ہے اور معیوب خیال نہیں کجالی ہندوستان میں تجمہ خانے (پچھے) ہیں۔ لڑکیوں میں سودا نہیں ہو کرتا۔ کیونکہ ہزاروں بندخت ایسے ہیں جو ہمیشہ گلیوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور رنڈیوں اور بدکاروں کی گھمٹائی پر زندگی بسر کرتے ہیں مگر اسکا الزام ساری قوم پر

کبھی عام نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ساری قوم بد اخلاق ہی گردانی جاسکتی ہے ان میں سے
 اکثر تناسلی امراض میں گرفتار ہوتے ہیں اسلئے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ تمام قوم ہی
 ایسے قبیح امراض سے گھرتی ہوئی ہے اگر آپ امریکہ اور ہندوستان کے تناسلی
 امراض کے ہسپتالوں سے بذریعہ مرلینوں کی مردم شماری کے بالخاص آبادی
 مقابلہ کرینگے تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہندوستان ایسا برا نہیں جیسا
 مس میونسپلٹی اسکلی مالیت پرزنگ پر دیا گیا ہے جنوی ہند میں انک یہ عام اعتقاد ہے
 کہ واسکو ڈاگاما کے باشندے ہندوستان میں تنگ لائیکاباعت ہوتے ہیں
 بادفرنگ جس کے معنی آتشک ہیں دو الفاظ آباد اور فرنگ سے مرکب ہے جسکو لفظی
 معے برطانیہ تو آکے ہیں۔ یعنی یہ بیماری فرنگستان کے باشندوں کی ایشیا میں
 لائی ہوئی ہے چونکہ ہندوستانی الگ الگ گاؤں میں رہتے ہیں اور یہی انکی خوش قسمتی
 ہے کہ وہ قریب پاکدامنی کے طریق پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں البتہ شہروں
 کی حالت کچھ تسلی بخش نہیں ہے مگر پھر بھی امریکن گاؤں سے بہت بہتر ہے
 جہاں تناسلی امراض بہت زیادہ اور کثرت سے ہے۔ فرانس میں قدرے
 کم ہے۔ کیونکہ مخفیہ خانے گورنمنٹ کی زیر نگرانی ہیں ڈاکٹر بدبخت عورتوں کو ملاحظہ
 کرتے ہیں اور انکے جسم کی صفائی کی تصدیق لکھ دیتے ہیں ریاستہائے متحدہ
 میں بیماریاں کی بدقسمت عورتوں کی حالت زیادہ اچھی نہیں سرکاری طور پر طبی
 امداد نہیں ملتی۔ وہاں زہریل ہوا اور مہیوت نہایت کثرت سے ہے تناسلی
 امراض کے ہسپتالوں اور ان امراض کے مخصوص ڈاکٹروں کی بڑی تعداد
 امریکہ میں زہریلی اور شرمناک امراض کی کثرت پر دلالت کرتی ہے ایسا امراض
 کے ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کی تعداد و بدن ترقی پذیر ہے اسلئے یہ شہادت

ہے اس بات کی کہ دہاں دن بدن ایسے امراض کی کثرت ہو رہی ہے باوجود ان سب کے ہوتے ہوئے کوئی مشرقی یہ نہیں کہتا کہ ہر ایک امریکن کپڑا یا بد شکل ہو گیا ہے اور مغربی عورت شرمناک تناسلی امراض کی شکار ہو گئی حالانکہ شفاخانوں میں ایسے کئی واقعات روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں مگر بس میو بالکل درست کہتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ تناسلی امراض ہندوستان میں عالمگیر ہیں اور اس کی ذمہ داری صرف انہیں پر ہی حتم نہیں کرتی کہ بنگال میں شرارت بہت ہے بلکہ وہ امراض کی کثرت کی شہادت میں لال تعداد بچوں کی اموات بھی انہیں امراض کا باعث بتاتی ہے۔ وہ فلو، ٹیبرا اور پلگ کی اموات کو بھی انہیں امراض کا باعث خیال کرتی ہے۔

ہر سال ہزاروں بچے مرتبے میں بچوں کی اس کثرت اموات کے کیا سبب ہیں ہندوستان غریب ہے مغربی اور ولادت دونوں یکساں چل رہے ہیں جس قدر افلاس ہے اسی قدر کنبہ کے آدمی زیادہ ہیں میٹر گو کھلے نے اپنی ۱۹۰۵ کی تقریر میں بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں چار کڑور انسان صرف چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ کھانے پر اکتفا کرتے ہیں سر پارلی الیمینٹ بیان کرتے ہیں کہ ”ہندوستان میں سات کڑور انسان ایسے ہیں جنہیں ایک سال کے تمام دنوں میں ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا“ میٹر مائیگو اپنی ۱۹۱۹ء کی تقریر سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں ”کیا کسی کو اس حقیقت میں افسوس ہو سکتا ہے کہ گزشتہ سال کے عالمگیر انفلوئنزا میں ہندوستانی کم و بیش چھ کڑور موت کا شکار نہیں ہوئے؟۔ کیا اس قدر اموات کا ہونا مفلس اور طاقتور کی کمزوری کی علامت نہیں؟۔

جنگ ہندوستان میں مفلس و ناداری ہے کمزور اور ناتواں والدین کے بچے ضرور مرینگے کیونکہ ان میں قوت روحانی اور خوراک کی بہت کمی ہوگی اور اس صورت میں جبکہ ان میں خوراک کی کمی رہی وہ مرینگے اور ضرور مرینگے اور اگر وہ موت کے بے پناہ پیچھے سے بچ بھی رہے تو تکالیف کی زندگی خود بسر کرینگے اور اگر علامہ افراد کی تکالیف وہ زندگی ایک اور کے اضافہ کا باعث ہونگے

ہندوستان تمام دنیا میں غریب تسلیم کیا گیا ہے اس حالت میں بھی اس میں گورنمنٹ کی طرف سے کوئی غرباؤ کی پرورش کیلئے جگہ اور مقام نہیں۔ صرف امراء اشخاص نے ازراہ سخاوت دھرم سالہ کھول رکھے ہیں مگر اسکی بابت مس میو نے اپنی کتاب میں ایک حرف تک نہیں لکھا جنوی ہند میں دھرم سالوں میں ہر غریب کو تین روز تک بلا فراہمیت رہنے کی اجازت ہے۔ یاد رہے کہ یہ انتظام چند نیک و فیاض دل احباب کی عنایتوں کا نتیجہ ہے سرکاری یا مشنری کو اس میں کچھ شمولیت نہیں غور کا مقام ہے کہ اس حالت میں بھی ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں فیاضی و نیک دلی نام کو نہیں۔ حجت کے طور پر مس موصوف لکھتی ہے "اگر ہندستان میں سیکدلی اور فیاضی ہوتی۔ تو اس جماعت کا نام اچھوت کیوں رکھا جاتا؟" اس کا جواب بس یہی ہے کہ اگر لوہ پ میں شرافت کا دور دورہ ہے۔ تو پھر گلیوں میں آوارہ مزاج عورتوں سے کیوں سودے ہوئے ہیں اگر وہاں خوشنودے عالیہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے تو وہاں نجس و ناپاک قلعے کیوں بنے ہوئے ہیں؟ ان ناپاک قلعوں کے باشندوں سے اچھوتوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔

میں میوہ تمام مغرب میں سے ایک نہایت ہی اعلیٰ دماغ واقع ہوئی ہے اور وہ لسنٹن کے نہایت اہل رسا اور اعلیٰ ہستیوں سے زیادہ ہستیاؤں کی روحانیت اور دیگر اخلاق کو جاننے والی واقع ہوئی ہے۔ کیا اسکو ذلیل و ناپاک ہستیوں کے بچے یا نہیں؟ ایک تجربہ وہ فلاں فلاں لیڈی کے ہمراہ مغربی گوشہ میں کھانے کیلئے گئی تو کیا اس نے اپنی مشرقی گوشہ میں رہنے والی بیمار ہمشیرہ کو پوچھا تھا؟۔ میں صاحبہ اسکے جواب میں ضرور کہی کہ واقعی میں نے اسکو نہ پوچھا تھا کیا ایسی عورت جو صرف اپنا آپ ہی رکھ سکتی ہو دوسروں کیلئے کیا اور کیسے راہبر کا کام دے سکتی ہے وہ ہندوستانی تحریروں کا حوالہ دیکر لکھتی ہے کہ اچھوتوں کی زندگی ایک بدنامی کی زندگی ہے شاید اسکو یاد نہیں کہ رامابوہندوؤں کا اوتار اور ایسا شخص تھا جسکو ہندوستان میں لاکھوں آدمی مانتے ہیں ایک اچھوت عورت کا مہمان رہا تھا رامابوہندوؤں کی زندگی میں ایک کشتی تھی۔ یہ ایک ذات ہے جو کہ عزت و عظمت میں برہمنوں کے دوسرے درجے پر ہے۔ یہ ایک اچھوت کا ولی تھا۔ اور رامابوہندوؤں کی وفات کے بعد بہت مشہور راجہ بنالیکن میں میوہ لکھتی ہے۔ کہ یہ ایک ضعیف تاریخی زمانہ کی بات ہے۔ اسکا جواب بہت سے مشہور خلائق انسانوں کے پاس ہے۔ جیسے رام کرنا رامابو کہ ریشیوں کا گرو تھا۔ دو پکانند جس نے اپنی جین تہذیب سے امریکن مذہبی پارلیمنٹ کو متاثر کیا تھا رام کرشن ایک برہمنوں کا برہمن تھا اپنے خیالات کا نہایت بکا اور پرمیٹر کا تھا۔ لاکھوں ہندوؤں عموماً اور بنگالی خصوصاً اسکو پوجتے اور اسکی پرستش کرتے ہیں مگر امریکن

عورت اسکو صرف ایک ہی مثال پر محمول کرتی ہے آریہ سماجی جماعت ادا کے
 مبلغ اعظم سوامی بیتوامی **شروہانٹ** کہ جن کو پچھلے سال ایک
 متعصب مسلمان نے قتل کر دیا تھا اسلئے کہ انہوں نے اپنی منظم جماعت
 کے زریعہ سے مسلمانوں اور اچھوتوں میں دوبارہ ہندو دھرم پھیلانا چاہا
 تھا وہ اس قسم کے شخص تھے کہ جس بات کا آپ پر بار کرتے تھے صرف
 پر بار تک ہی محدود نہ رکھتے تھے بلکہ سب سے پہلے آپ اس بات پر عمل کرتے
 تھے۔ انہوں نے مالابار میں اچھوتوں کے ساتھ ملکر کھانا کھایا جہاں کہ
 ان کے قریب ہونا بھی ایک گناہ عظیم خیال کیا جاتا ہے اور اسکے علاوہ کچھ
 سینکڑوں پیروں نے ایسا کیا۔ ٹراؤٹھور کے زیارتی مرکز ویکام نامی گاؤں
 میں ایک میدان خبگ چھڑ گیا یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک پیرائے او
 واسع الاعتقاد لوگ بکثرت بستے ہیں اعلیٰ طبقہ کے ہندو و ریفاہ
 مردوں نے اچھوتوں کو اس امر کی طرف راغب کر لیا کہ مندر سے
 مقابلہ کیا جائے انکا بعض راستوں سے گزرنامدت سے ممنوع
 کر دیا گیا تھا۔ وہ کسی شے سے بھی نہیں ڈرے۔ اور ریفاہ مردوں
 نے لڑائی پاہی۔ دوسری جانب پر رائے اعتقاد کے لوگ بھی برسرِ پیکار نظر
 آئے وہ اچھوت جنکو نائبر برمنوں نے سکھایا تھا۔ انہوں نے دوسرے برمنوں
 کے مندر توڑ ڈالے۔ اور ممنوع راستے سے راج کر دیئے وہ جیلوں میں گئے
 جہاں وہ بہت اچھی طرح رکھ گئے انکو اچھا کھانے اور چھاپنے کو دیا گیا گویا ان سے شیف تو میو کا سا
 سلوک کیا گیا جو جیلوں میں گئے تھے انکی جگہ دوسرے آدمیوں نے انکی جگہ لڑائی کی جنہوں تک ہی شریکر
 کی مہارانی کی گونٹ سے (مہارانی ایک شری سے جس ایک جن کی ہر منہ خطا دیاں مالا مال کی گئی)

ریکار مردوں کی خواہش کو آخر تسلیم پرانے اور راسخ الاعتقاد ہار گئے۔ اور ایک دوسرا نمونہ معرض ظہور میں آیا۔ اس طریقے سے جنگ چھڑی بنے اور باطل عقیدہ کے پرممنوں کے فریب کا ظلم ٹوٹا یہ ایسی جماعت نہ تھی کہ جب کا مقصد ملکی مفاد کیلئے مذہبی لطائف لڑتا تھا۔ اصل میں وہ ایک اور ہی جماعت تھی جب کا مقصد صرف ابھارنا تھا۔

میس میو لکھتی ہے کہ نائیر یعنی اعلیٰ ہندوؤں میں ایک جلسہ ہوا جس میں یہ پاس ہوا کہ اچھوتوں کو ہلاک کر دیا جاوے۔ نائیر مالابار کے علاقہ کے سپاہی اور کشتری ہیں اگر وہ اچھوتوں کو مار دیتے۔ تو آج تک اتنے اچھوت بڑھنے نہ پاتے اور دوسری جانب جب اونہوں نے زردی نہ کی۔ تو کہا جاتا ہے کہ انگریزی حکومت کی برکت ہے کہ وہ ہلاک نہ ہوئے۔ سچ گئے۔ اگر نائیر اچھوتوں کو ہلاک کر دیتے تو ان کا کئی سال پہلے ہندوستان سے صفایا ہو گیا ہوتا۔ ہم سب پر بخوبی کی قیمت کا حال روشن ہے۔ بے چینی سے حیوان کے متعلق انکشاف محفوظ رکھا گیا ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ میس میو کے وحشی بزرگوں اور آباد و اجداد نے ریڈ انڈین (امریکی قدیم اقوام) کو کبھی کیسی سب قاعدہ تکالیف دیں میس میو کو خیال آنا چاہیے کہ اس نے ہندوؤں پر کیا کیا الزام لگائے ہندوؤں نے اُسکے بزرگوں کی صرح اپنے ہم جنس بھائیوں سے برا سلوک تو نہیں کیا۔ ہندوؤں نے عسائیوں کے لئے گر جے مسلمانوں کیلئے مساجد اور پارسیوں کیلئے اپنے کو گھر اور آتشکد سے بنا کر دئے ان پارسیوں کیلئے جو ایرانی ظلم سے جنگ آکر ہندوستان میں آئے تھے۔

اگر کوئی مس میو کی تصنیف کو غور سے پڑھے تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہندو کا اچھوتوں پر اعتراض نہیں بلکہ انکی کثافت پر اعتراض ہے عیسائی جماعت سے تعلیم و ترقی حاصل کرنے کے بعد مس نہایت لاپرواہی کے ساتھ اچھوتوں کو ہندوستان کی امیکے دنام سی موسوم کرتی ہے۔ اسکے اندازہ اور تخمینہ کی مطابق پانچ لاکھ اچھوتوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ ہندوستانی عیسائیوں کی اکثریت ہے جو افلاس و تنگدستی و مہالت اور غلامت سے تنگ آ گئے تھے اور جنس پادریوں کی اعلیٰ جماعت نے انکی اس خرابے نمگی سے نجات دی مبارک ہو اس پادریوں کی جماعت کو جس نے یہ نیک کام کیا۔ اور مبارک ہو ان افراد کو جنہوں نے اس پادریوں کی جماعت کو مالی امداد دی مس میو کی تحریر سے عیاں ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی بابت ایسا ہی اعتراض ہے جیسا کہ مغربی امراء پر وہ دھواں بھدہ ہیں۔ کیا امراء اپنی اس اقلیت کیلئے غلطی پر ہیں؟ کیا دہلیانہ طبقہ کے افراد اپنے گھروں کو گندگی کی شکل میں تبدیل کر نیکیلئے غلطی پر ہیں؟ ہندوستان کے ہندوؤں کا اعتقاد خرابی اور ناپاکی کو صاف کرنا ہے اور عزیز اور ناواقا ال شخص اس کو ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانا ہے نہ کہ غلامت اور رسوائی کے اسفل ترین غاریں گرا کر

اول باب دہلیانہ خدا

قدم ہند کے فاتح آریوں کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ وہ ہندوستان میں ہمیشہ کیلئے ہیں اور خدا کے قائم مقام یا نائب ہیں آسانی قانون سار مس میو کے

کے لفظوں میں "جماعت اور فرقوں کے بلانہ والے یمن جتھوں نے اپنے آپ کو دنیاوی خدا بنا رکھا تھا۔ تمام اقوام کے فاتحان تھے یہی طریق اختیار کیا۔ خواہ یہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ واقعی قدامت یمن اپنے آپ کو دنیاوی خدا بنانے میں غلطی پر تھے۔ دسی باشندوں نے اینوالی نسلوں کو دھوکا دیا کہ چونکہ وہ تو اس وقت دنیاوی خدا کا درجہ حاصل کر چکے اور آئندہ نسلوں کے نسل ترس غارتخیز رہیں گے۔ جیسا کہ موجودہ نسلوں کے بزرگ اسلئے مجرم ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی سرزمین کو برصغیر عربت برطانیہ کے سپرد کر دیا۔ آریوں نے زمانہ اقبل از تاریخ میں چندویں کو مغلوب کیا۔ اور اب اگر وہ انہی حق کے پیچھے میں غلطی سے کام لے تو گویا وہ اپنی امارت کے سمجھنے میں یہاں سبب سے کام لے رہا ہو۔ موجودہ بیسویں صدی کے سفید برمنوں سے کھیل بہتر تھا جو اپنے گھر اعدا باہر سے لگے اپنا اصلی اور حقیقی وارثی حق جتنا سے پھرتے ہیں اور نشانی کے طور پر مشرق کے دنیاوی خداؤں کے ظلم و ستم کو بطور نمونہ کے پیش کر کے دعوے کے طالب ہوتے ہیں۔ لارڈ پین کے البرٹیل کو خراب کیا گیا۔ اسلئے کہ وہ موجودہ بیسویں صدی کے دنیاوی خداؤں کے برخلاف اجماعی اصل پیش کرتا تھا۔ اسکی شہادت زمانہ حال میں ہی ایک خاص انداز میں ملتی ہے۔

"پروٹسٹنٹس کے اعتقاد میں ہر ایک انگریز نے حصہ لیا۔ کہ ہندوستان ہی نے پروٹسٹنٹس کیا۔ اس بات پر سب جتھوٹے بڑے کا یقین ہے۔ اس میں ایک غلام سے رئیس تک جب اس میں شامل رہا ہے۔"

اپنے تخت پر اور غریب اپنے جھونپڑے میں بیٹھے خدا کے شکر گزار ہیں۔“

بس میو بھگوٹ گیتا میں سے نقل کرتی ہے۔ (اس کتاب میں دیوتاؤں کے قصص ہیں جس میں کہ برہمن کے مارنے اور اس کے قتل کی سزا کی بابت مذکور ہے۔

و جس شخص نے برہمن کو مار دیا وہ شخص مرنے کے بعد غلاظت کے کیڑوں کے جنم میں پیدا ہوگا۔ اس کے بہت مدت تک وہ اچھوت پیدا ہوئیگے بعد وہ اتنی چار مرتبہ اندھا پیدا ہوگا۔ مرنے کے ایک گانے کے جسم پر بال ہیں۔ اس پر بھی اس کا جرم چائیں ہزار برہمن کو کھانا کھلانے کے بعد معاف ہوگا۔“

بحیثیت ایک برہمن ہوئیگے میں پرانے اور نئے برہمنوں کے اصولوں کا مداح نہیں۔ میرے خیال میں برہمنوں کا مذہب مسلمان فاسقان کے آنے سے ماند پڑ گیا تھا۔ اور باقی رہا سہا کھوج اور نشان برطانیہ حکومت کے آنے سے جاتا رہا۔ مگر برہمن اور کشتری جب تک ہندوستان میں رہے۔ نہایت عظمت و شان اور رعب و داب سے رہے۔

برہمنوں کو اعلیٰ اور شریفانہ زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ یہ انکی۔ اقتصاد کی مشیج تھی اور وہ نئے آنے والوں کے راستے میں اٹکتانہ چاہتے کیونکہ قدیم اقوام انکی مفتوحہ تھیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ شریفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ فارح ہمیشہ سیر جم ہوتے ہیں۔ خواہ وہ بہت زیادہ بے رحم ہوں یا رشی ہوں۔ عقل و شعور بہادری و شجاعت کا جزو اعلیٰ ہے آریوں

نے دینداؤں کی سی زندگی بسر کرنی شروع کی اور اس طرح وہ قدم قدم
کے روحانی پیشوا ہو گئے۔ مگر موجودہ زمانہ کے برہمنوں نے علی فتح کا ذکر
اٹھایا ہے۔ جو صرف دباؤ اور زور سے ہی رک سکتا ہے۔

پرانوں کے زمانہ میں قوموں کا اصول خواہ کیسا ہی برا ہو۔ وہ کتاب
جس میں سے مس میو اصل چیز تلاش کرتی ہے۔ یعنی ورنہ (ایکات)
اور یہ ایک قدم زمانے میں ہی قوم بنی تھی۔ جو کہ ویدک کا زمانہ تھا اور واقعی
ویدک کا زمانہ قوموں کی تقسیم کیلئے ایک نہایت عمدہ اور اچھا زمانہ تھا۔

آریوں نے اپنے آپ کو تین مختلف جماعتوں میں تقسیم کر لیا۔ برہمن کشتری
ویش۔ انہوں نے تمام حکومت پر قبضہ کر لیا اور خود ریائی جماعت تھی۔

اسکا نام شودر رکھا گیا۔ شودر غیر مہذب اور گندہ بہت تھے۔ اور ایک پانچویں
جماعت تھی۔ جو سب سے کم تھی وہ اپنے ہی ماحول میں رہتے تھے اور
انکا دوسری ذاتوں سے ملنا ناپاک خیال کیا جاتا تھا۔

اسکے بعد برہمنوں نے انتظامی رنج کی جانب رجوع وہ اسراوریلک کے
خیر خواہ تھے۔ جیسا کہ آج کل ہندوستان میں علی آفیسر سول سروس
میں ہیں۔ کشتری ایک بہادر اور سپاہی ذات ہے وہ فوج میں بھرتی
ہوئے۔ سپاہی۔ جنرل اور بادشاہ بنے۔ برہمنوں کے پاس تربیت
ویدوں کی تعلیم ملتی اور ملکی علم۔ علم ادب وغیرہ رہا۔ یہ کشتریوں سے
الگ تھے۔ گویا شرم کا علم برہمنوں کے سپرد کیا گیا۔ اور یہی۔
کشتریوں کو علم سکھایا کرتے تھے جیسا کہ افسور اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں
دولوک اور شیندھرسٹ سے الگ ہیں برہمن اپنی الگ دنیا میں رہتے تھے

اور کشتری اپنی الگ فضا میں سولین اور سپاہی اپنی اپنی الگ کھلیوں میں
منزے کرتے تھے۔ ویش ایک کاروباری جماعت تھی مانتہ آجکل کے
انگریزی تجارت پیشہ جماعت کے جنکا حکومت اور قانون سے کوئی زیادہ
تعلق نہیں اور شودر ایک محکوم ذات جو کہ خدمت گزار تھی

پلاٹوں کا حوالہ دیکر اس امر کے دکھانیسکی کوشش کی گئی ہے۔ کہ
برہمن منسوب تھے۔ اور وہ شودرون کو نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے
دیکھا کرتے تھے۔ ذات پات کی تمیز جو کہ ویدک کے زمانہ میں ظاہر ہوئی
تھی ہندو دھرم کی کتابوں کے مطابق قریباً ۵۰۰ سال قبل از مسیح
اور تاریخی حساب کے مطابق ۵۰۰ سال قبل از مسیح کے طبع سے
جس طرح مخلوط شادیاں ہو آرتی تھیں اسی طرح مخلوط کھانے اور
دھنیں بھی ہوتی تھیں اس وقت غیر آریوں کے ساتھ مخلوط شادیاں
بالکل نہ ہوتی تھیں جیسا کہ آج کل یورپین آفیسر جماعت ہندوستانیوں
سے مخلوط شادیاں نہیں کرتی یہ رواج ان دنوں رائج تھا
ویدک کے زمانہ میں ذات پات کی تمیز ہونے کے باوجود ایک

دوسرے سے نہایت گہری الفت و محبت تھی ایک دوسرے کے بر خلاف
سرگراہی اور حقارت آمیز تحریر نہ لکھی جاتی اور نہ استعمال ہوتی تھی
قدیم آریوں نے ایک دوسرے کے خلاف جماعتیں کھڑی کیں اور آمادہ
پیکار ہو گئے اس طرح فاتح اور مفتوح کمزور ہو کر تھک گئے۔ اور اس
طرح وہ نہایت آسانی سے غلام بنائے گئے۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ
غلامی کی زنجیر لوگوں کے گلے میں اچھی طرح پڑ چکی تو اس وقت

تو ارجپنی شروع ہوئی یہ پرانوں کا زمانہ تھا جس نے کہ ویدک کی امیانہ روح کو کمزور کر دیا۔ اور وید کے وقت کی ذات پات کی تیز بالکل مٹ گئی۔ ویدک کی جگہ پرانوں کی حکومت نے لے لی جو کہ سراسر جنگی اور تباہ کن راستہ تھا۔ رامائن کے زمانہ میں اچھنڈ راورنکا کے راجہ راون میں لڑائی ہوئی۔ اور اس کے قریباً ہزار سال بعد ایک اور عظیم الشان جنگ ہوئی۔ یہ لڑائی کورو اور پانڈؤ کے درمیان تھی جس کا ذکر مہا بھارت میں ملتا ہے۔ اس کے بعد بدھ مذہب کا زمانہ آیا جس نے کہ ہر قسم کے تشدد سے منع کیا اور تمام ذات و غیرہ کی تیز بالکل بھادی بدھ مذہب کی بہت مدت تک حکومت رہی راجہ مہاراجہ غرضیکہ سب اس نئے مت کے حلقہ بگوش ہو گئے خصوصاً راجہ اشوک کے وقت میں تو یہ بہت عروج پر تھا۔ اس کے ایک عرصہ بعد شیوجی کے وقت میں برہمنوں نے زور پکڑا اور بدھ مت جو کہ تمام زمین اور ملک پر پھیلے ہوا تھا۔ اولاً جس میں تشدد منع تھا۔ اپنے اس اصول پر کار بند تھا۔ آخر تشدد کے مقابلہ میں تشدد نہ کرنے کی وجہ سے اس کے پیرو سب کے سب دوسری جگہ میں چلے گئے۔ اور جا کر چین اور تبت پر قابض ہو گئے۔ ہندوستان خود اس کے بعد اپنے ہم عصر یورپ کس کی طرح خانہ جنگیوں اور بیڑی حملوں کا شکار ہو گیا۔

ہندوستان کا کسویں بکر مغربی ملک کے ساتھ مقابلہ کرنا سخت نادانی ہے۔ کیونکہ ہندوستان پرمیزگار براعظم ہے۔ یہ نہایت

مشکل امر ہے۔ اور قومیت ہندو کا ہندوستانی طاقتوں کے انتظام میں ایک دوسرے سے ملنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس جگہ براعظم کو ترتیب دینیکا سوال اٹھتا ہے۔ مس میو سے عموماً بہت ہی یہود گیاں سرزد ہوئیں اس نے یہ سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے کہ اس کا تعلق ایک سے ہے۔ نہیں بلکہ بہت اور مختلف اشخاص سے ہے حتیٰ کہ قریبی رشتہ داریاں اور رسم و رواج ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ سکاٹ لینڈ کے میدانی اور پہاڑی علاقوں کے باشندوں کے ہاؤس جیسے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں برطانیہ ایک قوم کا مسکن نہیں بلکہ بہت سی اقوام کا مرکب بنتے ہیں اس پر بھی باہمی لڑائیوں اور جھگڑوں کے بعد ایک قومیت ہی پایہ تکمیل کو پہنچی ہے یہی حالت انگریزوں کے ہندوستان میں نے کے وقت ہوئی۔ اور ہندوستان میں ایک نئی شاخ ولو دھیلی

مس میو سفید خالچ از ذات لوگوں کا سوال اٹھانے سے گھبراتی ہے یہ تھے نتیجے ان کے خواہ یہ حقیقی ہوں یا غیر حقیقی ان میں رنگ قومیت کا کوئی سوال نہ تھا۔ موجودہ شہنشاہیت سے مقابلہ کر کے دیکھ لیجئے پہلے انگریز اپنے ہمراہ اپنی بیویوں کو نہ لائے۔ ہندوستان اور انگلستان میں آپ فاصلے اور دوری کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں اس وقت ہنر سوز نکالی نہ گئی۔ تھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے نقایص یوریشین میں ہیں۔ اور انگریزوں میں کوئی وصف نہیں یہ غلط ہے۔ یورپے شین لوگوں میں بہت سے قابل اور ہمارے

اشخاص موجود ہیں۔ مگر وہ یہ خیال نہ کر سکے۔
 کہ ان کی رگوں میں حکومت کا خون جوش زن ہے جب ان کے
 دلوں سے یہ خیال نکل گئے۔ اور ہندوستان کو وہ اپنا پدری
 حق سمجھنے لگے اس وقت ان کو مفید شہری بننے کے بہت ہی
 موقع مل جائینگے۔

مس میو نے مجسم شیطان برہمنوں سے کچھ منسوب نہیں کیا
 انہوں نے ڈرا دھمکا کر اور بددعاؤں کے ذریعہ اپنی حالت کو برقرار
 نہیں رکھا بلکہ صلح کل حقیقت صاف گوئی اور کئی صدیوں کی
 روشنی میں اقتدار حاصل کیا برہمنوں کا خواہ کوئی جرم نہا کامی ہو
 مگر اس قوم نے اپنی قیاسی زندگی کو ایک شاہراہ پر ضرور لگا لیا
 ہے۔ بندھیا چل کی جنوبی جانب سے لیکر تمام جنوبی ہند میں
 کوئی برہمن نہ گوشت کھاتا ہے اور نہ شراب پیتا ہے۔ اگر گوشت
 کھاتے ہیں تو شمال ہند کے برہمن اور بنگال کے برہمن چھلی
 مگر شراب تو ہر جگہ ہی ممنوع قرار دی گئی ہے۔ حکومت کی طرف سے
 اس کی کوئی مخالفت نہیں۔ کیاس میو نے اپنی توہا اس جانب
 بھی کی کہ سارے برہمن اب تک پرہیز کرتے رہے شمالی ہند
 میں پرندے بکرے اور ہرن اور دریاؤں میں قسم قسم کی چھلیاں
 ہیں۔ مقام غور ہے۔ کہ سوسائٹی کے لیڈر اور امرا صاحب انش
 و عقل کیسے شراب اور حیوانی خوراک سے پرہیز کرتے رہے یہ

اشیاء ان کے آباد و اجداد سے نامعلوم وقت سے شروع چلی آئی ہیں۔ برہمنوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ ہزار ہا سال سے عامہ رائے سے ان اشیاء کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ بس میو کے اپنے ملک میں جو کہ ابھی کل کی پیدائش سے ہے اور جہان پلے کا اپنا کوئی قدیم احوال و رتذیب نہیں حکومت ہی کو قانون نافذ کرنے پڑتے ہیں۔ اپنے ملک میں جہان کہ وہ بیٹھی ہوئی بدلم اور دروغ بیانی سے کام سے رہی ہے۔ سو سائیں ان چیزوں پر کامیاب ہو گئی جن پر کہ قانون قابو پانے سے عاجز رہا۔

دسواں باب

اچھوت اور دہقانی

انگلستان میں اسفل ترین زندگی بسر کرنے والوں کے متعلق وقتاً فوقتاً ریفارمر اور ملکی مدبّر حکومت کو ستانے اور جتانے رہے مگر ان ناخوش اشخاص (اسفل طبقہ) کی زندگیاں ہندوستان کے دہقانوں سے پھر بھی بہتر ہیں اور اچھوت ان کے علاوہ ہیں ایک انگریز ہمدرد کے الفاظ ملاحظہ ہوں جو ہندوستان میں اسیس نے اچھوتوں اور دہقانوں کے حالات دیکھے ہیں۔

مٹی کا جھونپڑا جس کی چہت باریک لکڑیوں اور پام کے درخت کے پتوں کی ہے۔ اگر چار پائی بے تو کس چیز کی باریک چھڑیاں سوڑ کے چار پائی بنائی گئی ہے۔ اس پر اس کا بستر ہے۔ وہ ہی صرف ایک۔ اور چار پائی زمین سے بچہ لکڑی اور بچی جھونپڑی میں دروازہ ہے نہ کھڑکی۔ ایک آتش دان اور کھانا پکانے کی جگہ ہے سو وہ بھی باہر وہ صوفہ جس پر کہ کسی فرصت کے وقت آرام کیا جادے۔ وہ سونے کے جھونپڑے سے باہر مٹی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ لباس صرف ایک ہی ہے۔ جو اس نے اپنی کمر کے ڈلیٹیا ہوا ہے۔ دوسرا لباس بالکل نہیں کہ ضرورت کے وقت کپڑے دھونے کے لئے دوسرا ہی پہن لیا جادے۔ نہ وہ (دھقانی) تمباکو پیتے ہیں۔ اور نہ وہ منشی شیا کا استعمال جانتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ اخبار سنی کرتے ہیں۔ وہ کبھی بفرج طبع کے لئے کسی جگہ نہیں جاتے۔ اس کا مذہب اسے ہمدردی اور قناعت سکھاتا ہے۔ وہ یونہی قناعت پسندی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس پر فاقہ سوار ہو جاتا ہے۔

ہندوستان کے دھقانوں کی یہ خوف ناک حالت ہے جس کا نقشہ مذکورہ بالا الفاظ میں ایک انگریز نے کھینچا ہے۔ یہ وہاں کی حالت ہے جہاں کہ زراعت پیشہ لوگوں کی بہت کثرت ہے۔ جو تمام دنیا میں نہایت ہی غریب اور مفلس ملک ہے۔ اگر وہ بیکار بیٹھے تو خدا معلوم اس کی کیا حالت ہو مگر وہ سخت محنت کش کفایت شعار اور جفا کشی سے اپنا کام دن رات انجام دیتا ہے۔

وہی انگریز آگے لکھتا ہے۔ ”باوجود سخت محنت اور مشقت کے جو اکثر صبح سے شام تک انہیں کرنی پڑتی ہے۔ پھر بھی پیداوار فی ایکڑ انگلستان کی زمین سے نصف ہوتی ہے۔ مقام غور ہے کہ اسی پیداوار میں اس نے لگان ادا کرنا ہے۔ ملک کا محصول دیتا ہے اور اس کے علاوہ سینکڑوں اقسام کے ٹیکس اس پر لگے ہوئے ہیں۔ پھر اگر ان کی کفایت شعاری پر تعجب کیا جائے تو شاید درست نہ ہوگا کیونکہ وہ اس حالت میں اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت سادہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور خود بخود قناعت پسند واقع ہوگا اس سبب سے اس نے قناعت کی زندگی بسر کرنی سیکھی ہے“ اس کے پھر وہی شخص پُسان ہوتا ہے ”انگریزی کان اور مزدوروں کی کیا حالت ہو۔ جب ان کو ان کی پیداوار فی ایکڑ سے نصف دی جائے“

انگلستان کانوں اور مزدوروں کے لئے جنت ہے۔ اس حالت میں جب کہ وہاں کے کانوں کا مقابلہ ہندوستان کے مزدوروں اور کانوں سے کیا جاوے۔ ان کی اس غفلت و لاپرواہی کو رمنٹ پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی انگلستان میں مزدوروں اور کانوں کو ان کی ترقی اور ہوش میں آنے کے عوض کچھ گرفت نہیں ہوتی۔ بلکہ انعام ملتا ہے۔ مگر اگر ہندوستان اگر کوئی ایسا کام کرے اور سوئے بھائیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے تو وہ ہر ایک سے اپنے لئے اچھے سلوک کا خواہشمند ہوتا ہے۔ یا اس کو اپنی نوع

انسان میں منافرت پھیلانے کی وجہ قرار دیکر گرفتار گرفتار کیا جاتا ہے۔ حقیقی جاپان اور نکتہ چینی کے بغیر نہ تو گورنمنٹ ہی ترقی کر سکتی ہے۔ اور نہ ہی یہاں کے باشندے۔ خود مختار ممالک میں مخالف طاقتور پارٹی کی روک کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ ایک ملک جو کہ آزاد نہیں بعض مرتبہ اس میں نکتہ چینی کر نیسے انسان مجرم قرار دیا جاتا ہے اگر گورنمنٹ جماعت کی تکالیف کے سبب کو معلوم کر کے اس کے ازالہ کا بندوبست کرے تو کسی کو نکتہ چینی کر نیکام و قوی ہی نہیں مل سکتا اور خواہ مخواہ لوگوں کے قلوب کبھی برخلاف نہیں ہو سکتے جیسا کہ استہکام متحدہ امریکہ کے سان بھڑ کے تو گورنمنٹ نے ان کے لیڈروں کو جیل میں رکھ لیا۔ اور اس طرح تمام جگہوں میں تحریک پیدا ہو گئی۔ اور..... آخر کار سرکار کو ان کے مطالبات تسلیم کرنے پڑے۔ گورنمنٹ کے پاس امن قائم رکھنے کے لئے بہت وقت ہے۔ بجائے اس کے کہ عقلمند اشخاص کو کسی زمین کی دوسری پیداوار کے کام میں لگایا جاوے۔ یہ رائے صرف ہندوستانی تحریکوں ہی کی نہیں۔ بلکہ غیر جانب دار انگریز مسٹر آرلڈ لپٹن جیسے شخص کی بھی ہے۔ جس کا مقصد ہندوستان میں آکر کتاب لکھنا ایک دوسرے کے برخلاف منافرت پھیلانا اور ان (ہندوستانیوں کو) سفید چمڑے والے لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل کرنا نہیں بلکہ اس حقیقت کو بخشم خود دیکھنا ہے کہ کوئی ملک اتنی ایسا غیر نوادار بر باد شدہ اور بغیر کسی مدد کے ہے۔ جیسا کہ ہندوستانی

ایچی نے ٹرفخریہ کہتے ہیں مسٹر موصوف نے مغرب سے مشرق اور جنوب سے شمال تک سیر کی انہوں نے گورنر اور مین پریزیڈینسی گورنروں سے ملاقات کی وہ سول سروس کے انگریز آفیسروں اور ہندوستانی شرفارے سے ملے ہیں۔ وہ گاؤں اور کھیتوں میں گئے مزدوروں اور کسانوں سے گفتگو کی انکی جائے رہائش کا چشم خود ملاحظہ کیا اور ایک غیر جانب دارانہ رائے قائم کی گورنمنٹ اور لوگوں میں یکساں تحریک پیدا کرنے کیلئے لکھا۔ وہ امریکن حرکت تھا بلکہ ایک بہت اچھا انگریز تھا۔ اور اچھے انگریز اپنے ملک میں رہ کر بھی گورنمنٹ کو نہیں بھلاتے مسٹر لیٹن کی رائے میں اگر ہندوستان کے عقلمندوں نے تقدیر کی رہبری کی تو ہندوستان میں غریب جماعتوں کی بہت کثرت ہو جائیگی۔

مسٹر لیٹن اپنی کتاب ”د خوش نصیب ہند“ میں لکھتے ہیں ”وہ پہلوا اور مضمون جس کو میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی ہے اور جس پر کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ وہاں طریق پر زندگی بسر کرنا۔ ہندوستان کی دولت مفلسی صحت و امراض ہے۔ میرے خیال میں برطانوی حکومت کے لئے یہ بات شرم ہے کہ اس کے اس بڑی تعداد میں شہری متواتر بھوکے رہتے ہیں۔ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ گاہے قحط کا الزام حکومت پر آئے۔ جب بارش نہیں ہوتی تو کھیتی پیدا نہیں ہو سکتی اس صورت میں سخت مشقت کرنا اور خوراک کی کمی ہو جاتی ہے۔ میں

یہ نہیں کہتا کہ یہ مشقت بڑے آدمیوں کے لئے خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ بلکہ اگر مجھے یہ کہا جائے کہ پانچ کروڑ ہندوستانی رعیت یکم جنوری سے آخر دسمبر تک کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی بغیر کھسی اتفاقیہ دعوت کے۔ جیسے کسی لڑکے یا لڑکی کی شادی جس پر کہ روپیہ ادھار لے کر لگایا جاتا ہے۔ جو آخر کار باپ کے کندھوں پر تمام عمر کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت میں کہہ سکتا ہوں کہ ملک میں کچھ نقص ضرور ہو رہا ہے اور حکومت کا پہلا فرض یہ ہے کہ لوگوں کی مالی حالت کا اندازہ کرے اور ان کو ترقی دینے کے لئے مناسب کفایت شعاری کے طریق اور قانون نافذ کرے تاکہ باشندے آب و ہوا کے مطابق اچھا کھائیں پھنیں۔ اور عمدہ طریق پر زندگی بسر کریں۔ حفظانِ صحت کے اصولوں پر لوگ پابندی کرتے ہوئے زندگی نہایت آرام سے گزاریں قومی خیر خواہی کی پہلی شرائط ہیں۔

اگر میں ہندوستان کا گورنر جنرل ہو جاؤں تو میں بت یا جنوب مغربی پامیر جھگڑوں میں ہرگز نہ پڑوں۔ اور نہ ہی اسیر افغانستان کو چھیڑوں اور نہ ایران کی طرف سے فکر کروں۔ بلکہ یہ کوشش کروں کہ حکومت برطانیہ ہر قسم کی تدابیر سے مجھے مطلع کر دے تاکہ میں ہندوستان کی کفایت شعاری کی حالت کو درست کر سکوں۔ اور ایسی حالت کروں کہ اس کی دوسری ممالک کے ساتھ بطور مقابلہ شبیہ دمی جاسکے۔ مگر ہندوستان

کا گورنر اس جماعت اور طبقہ میں سے نہیں آیا جو مشقت کو معلوم کر سکے اور جو کاشتکاروں کی مزدوری کا خیال کر سکے یا ان کی خوراک کی جانب نظر کر سکے کہ بقاءِ صحت کے لئے کس قدر کھانا ان کے لئے ضروری ہے۔ ان کے (گورنر جنرل اور گورنمنٹ کے) قلوب صرف فوجی طاقت کی تکمیل کی طرف راعب نمائشی اور کھیل کے سنا مانوں کی طرف مائل ہیں۔ اس کے برخلاف اگر ہم کو اپنی کام کرتے ہوئی جماعت میں سے گورنر جنرل یا کوئی اہل اختیار جو کہ ایسے کاموں میں ناہم ہو پھینچنا پڑے۔

تو سب سے پہلی بات جو وہ دریافت کر لگا وہ یہی کہ وہاں کی کاروباری جماعت کی کیا حالت ہے۔ اور وہ زیادہ تر اپنا وقت ان جماعتوں کی بہتری اور بھلائی کی سوچ میں گزار لگا کہ کس طرح ان کی تکالیف میں کمی کی جا سکتی ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ آگسٹس فخر یہ کہا کرتا تھا کہ اس کو روم کا شہر اینٹوں کا بنا ہوا ملا۔ مگر اس نے اس کو اس حالت میں چھوڑا جبکہ یہ سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اسی طرح موجودہ امیر گورنر جنرل فخر کر سکتا ہے۔ کہ اس نے شہر دہلی کو کھنڈا پایا۔ مگر ایک عالیشان اور فلک بوس عمارات کی حالت میں چھوڑا مگر ایک کاروباری طبقہ کا گورنر جنرل اس بات پر اتر آتا کہ اس نے ہندوستانی کاشتکاروں کے معاوضے بڑھا دئے۔ جب وہ آیا۔ تو اس وقت فی یوم چار آنے تھے۔ مگر جب اس نے ہند کو

خیر باد کہا تو فی یوم بارہ آنے تھے حالانکہ ضروریات زندگی کا بھاد
اسی ٹھکانے پر تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا فخر مبارک ہو سکتا
تھے۔ مگر خیال میں برطانوی قوم کو ہندوستانی حکومت ایسی کیڑا
غنایات کرنی چاہئیں

دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا ملک دیکھنے میں نہیں آیا کہ جس میں
3190000000 جذب اشخاص بعد اپنی شاندار گزشتہ و
قدیم تاریخ کے اس قوم کی رعیت ہوں جس کی کل تعداد 470000000
افراد پر مشتمل ہے۔ اور جو سات ہزار میل کے فاصلہ پر رہتی ہو
یہ برطانوی قوم ضروری فرض ہے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ ایسے اعلیٰ
کاموں کی طرف مبذول کرے کیونکہ اس سے اس کے دامن کو
دھبہ لگنے کی بجائے اس کی قدر و منزلت ہوگی کیونکہ گورنمنٹ
کا ہر محکمہ ہی چاہتا ہے کہ اسے اپنے متعلق ہر طرح کی آزادی
حاصل ہو۔

مذکورہ بالا تحریر کے ساتھ مس میو کی تحریر کا مقابلہ کیجئے۔ وہ
ایک میلے پر گئی اور دیکھا کہ کاشتکار جوئے اور سیکیٹ خرید
کر رہے ہیں۔ سموت پیش کرتی ہے کہ اگر وہ حقیقتاً غریب ہیں
تو جوئے اور سیکیٹ کیوں خریدتے ہیں۔ اگر وہ احاطہ مداس
میں جا کر دیکھے تو معلوم ہو جائیگا کہ بڑے بڑے امرا اور صاحب
ثروت اشخاص ننگے پاؤں پہرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی مفلسی
کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر کہتی ہے فردری ۱۹۲۷ء میں علی گڑھ

کے میلے پر شام ستے قسم کے بونڈوں کی آمد فی ایک ہزار پونڈ تھی جس میں بیس فیصدی منافع ہوا۔

صرف سیکریٹ اور ماچس ہی خوشحالی کی علامات نہیں۔ بلکہ ایک یلوے ٹریفک بھی فارغ البالی کی علامت ہے۔ تیسرے درجہ کے مسافروں کی بہت زیادہ تعداد بھی اس امر کی نشانی ہے کہ ہاتھ میں روپیہ ضرور ہے۔ کیا ریلوے کے معرض وجود میں آنے سے قبل سفر بند تھا۔ بہار اور صوبجات متحدہ میں ریلوے کے کھلنے سے ایک لاکھ ملاحوں کا رزق مارا گیا اور وہ بیکار ہو گئے اگر مس میونس ریلوے سے پہلے کا زمانہ دیکھا ہو تا جبکہ گنگا اور جمنہ کے کنارے ملاحوں کا ایک جم غفیر رہتا تھا۔ تو نہ معلوم وہ کیا کہتی

بازاروں کی بابت مس میونس کی ریشن تشریح کا دیگر وقت کے سیاحوں در مسافروں کی تحریر کے مقابلہ کریں کہ بازاروں میں بیرونی ممالک کی سیکریٹ اور چھتریاں نہایت ارزاں قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں ایک سیاح فلی مور لکھتا ہے۔ ”اس کی زمین کی بدولت دور کی اقوام نے پرورش پائی“۔ ٹیوڈنیر ایک دوسرا سیاح جو کسی بازار (منگال کا ایک شہر) کی بابت لکھتا ہے۔ یہاں سے ہر سال ۲۲۰۰۰ گھٹے سٹاک کے جن کا وزن ۲۲۰۰۰۰ پونڈ ہوا کرتا تھا۔ (۱۶ اولس کا ایک پونڈ) باہر جایا کرتے تھے۔

مسز ہنسٹ کہتی ہیں ”اُس قدر دولت کی فراوانی نے یورپین اشخاص کو ہندوستان آکر پمپل کے درخت کو ہلانے پر مجبور کیا۔ سابقہ افراد کی کہانیوں نے انہیں بھی سونے کی جانب کھینچا۔ مس میو نے لہجہ توں کی بدبختی کا نقشہ جمیں کہ وہ لائحوں

کی تعداد میں رہتے ہیں نہایت دردناک الفاظ میں کھینچا ہے
 ”اُن کے ناموں سے ہی بدقسمتی اور بے عزتی عیاں ہوتی ہے
 ان میں سے اکثر تو صرف صفائی اور رات کا گرد اور درگزی پڑی
 اشیاء کی صفائی کے لئے ہی مقرر کئے گئے ہیں۔ اور کچھ ایسے
 بھی ہیں پتہ نہیں کہ انہیں کیا کام دیا گیا ہے۔ اور وہ نہایت ہی مکروہ
 عادات کی تحت میں زندگی بسر کرتے ہیں سب کے لئے کام سیکھنا
 ایک لکل ممنوع قرار دیا گیا ہے۔“

یہ ہے خوفناک غلامی و لبرفولس کے باشندوں میں اس کا
 کیوں رواج ہے سو سال سے کم عرصہ کا واقعہ ہے کہ امریکن کاشتکاروں
 نے لارڈ گرے کی وزارت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ
 غلامی کا انکار کرنا چاہتا تھا۔ مورخ کہتا ہے

”حالانکہ غلاموں کی خرید و فروخت بہت عرصہ سے ممنوع ہو چکی
 مگر تاہم اس کا وجود ضرور باقی ہے۔ اور مغربی ہند کے کاشتکار
 اس رسم بد کی مثالیں بہت کوشش کرتے ہیں۔ بہت سی
 یورانی مثالیں ہیں مگر ان سے پارلیمنٹ کو چند ان مدد نہیں ملتی
 فرض کرو کہ غلامی کی بابت سوال نہ ہی اٹھایا گیا۔ مگر کیا

انگلستان گزشتہ بدبخت زمانہ سے انکار بھی کر سکتا ہے؟ کیا پرانے قانون نے غلامی کے انداد کے لئے کوئی کوشش کی ہندوستان میں چونکہ اپنی باتوں کا وجود ہے اس لئے اور صرف اسی لئے ہم کو کہا جاتا ہے کہ ہندوستان اپنی حکومت کے ناقابل ہے۔ مائیکلو کی ترمیم غلط ہے۔ ہندوستان فی ایک وحشی قوم ہے اور ان کی نجات صرف انگریزی سولین (اور امریکن مشنری کے ساتھ ہے۔

ہم پر سخت کر نیوالے کو کوئی اور راستہ نہ مل سکا کہ اپنے دل کی ایسی طرح بھڑاس نکال سکے۔ ہندوستان ڈیڑھ سو سال سے برطانویہ کے قبضہ میں ہے۔ مگر آج تک چھوٹ کی اس رسم بد کے مٹانے کے لئے کوئی بھی قدم نہ اٹھا سکا کیونکہ بقول مس میو یہ ایک غلامی ہے۔ کیا یہ اتنی مدت کے قابل ترمیم و اصلاح نہ تھا کہ قانون کے نافذ کر نیوالے ذمہ داران نے اس اچھوتی کو مٹانے کی سعی کی ہے؟

اچھوتوں کو درست کرنے اور ان کو ترقی پر پونجیا کی ہی ترکیب ہے کہ انہیں رائے دینے کا حق دیا جائے۔ مگر پرانے عقیدہ کے لوگ جو مجلس قانون سازان میں ہونگے وہ اس پر آتش زیر پا ہو جائینگے۔ کیونکہ وہ مدت کے الگ ہتے چلے آئے ہیں۔ اور وہ اپنے اتنی اعتقاد کو ہمیشہ اسی اصلی حالت پر رکھنا چاہینگے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ایک ہمدرد انگریز کسانوں کی حالت

پر کہا کچھ کہہ سکتا ہے اور یقیناً اچھوتوں کی حالت تو ان سے بہت ہی خراب ہے۔ ان کے پاس رہنے کو مکانات نہیں۔ وہ یا تو درختوں کے نیچے رہتے ہیں۔ یا غار اور گڑھوں میں مانند خرگوشوں کے۔ یا وہ اپنی زندگی کے دن گھاس بھوس کی چھوٹی لٹریوں میں گزارتے ہیں جسکی دیوار کچی مٹی کی بنی ہوئی ہیں۔ مالا بار میں تو اچھوت اپنے آپ کو برسات اور سورج کی حد سے بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ انکی زندگی اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی افتادہ مردار اور غلیظ اشیاء سے بے بس رہتی ہے اور وہ جو ہے مینڈک۔ سانپ اور کیڑے مکوڑے کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ بے شمار اچھوت کمزور اور ان کی شکلیں بگڑ چکی ہیں بہت سے بوڑھے اور ناتوان ہیں مگر مس میونسپل بے کس و بے مددگار اور خدا سے دور افتادہ اچھوتوں سے ہمدردی رکھتی تھی تو کیا وجہ ہے کہ اس نے گورنمنٹ سے پرزور الفاظ میں ان کیلئے سفارش نہ کی اور کیوں۔ ان کی مدد کے لئے مجبور کیا؟

برٹش گورنمنٹ کو صرف عرصہ بیس سال سے ہی کونسل اور محکموں نے ستایا ہے۔ اچھوتوں سے انصاف اور اس سے منکر ہونیوالا کوئی قانون ساز برہمن نہ تھا۔ امریکن مصنفہ نہایت ہمدردی سے اس بات کو مانے کہ اچھوتوں کی تمام تکالیف کہ وہ گلیوں میں گرہی پڑی اور سڑی اشیاء اور مردار کھاتے ہیں کا ذمہ دار وہ حریص برہمن ہے جو کہ کونسل میں صرف اپنی آسائش و آرام کی بات کہتا ہے۔ مگر ان خدا کی خاموش بستیوں کی بابت ایک حرف تک

نہیں کہتا۔ خیال کریں کہ قریباً ایک صدی کے قبل سے اب تک گورنمنٹ
 کیا کرتی رہی۔ جبکہ کونسل اور قانونی صلاح نہ تھا۔ کیا گورنمنٹ
 ہند نے اچھوتوں کو وہ سب کچھ دیا۔ جو کچھ کہ اس نے اپنے محتاج
 واپا، بچوں کو دیا تھا۔ مس میو یہی کہیگی کہ یہ تمام پہلک کے معاملے
 ہیں۔ مگر گورنمنٹ کو یہ ضرور خیال ہونا چاہئے کہ پہلک کے وہ معاملے
 جن کو پورا کرنے سے پہلک خود عاجز رہی۔ ان کو پورا کرے۔ انگریز
 متورخ لکھتا ہے۔ ”اس بات کی کوشش کی گئی کہ محتاجوں اور بھکاریوں
 کا پوری طرح سے انتظام ہو جائے۔ اور قانون بھی جاری کیا گیا
 مگر ناکام رہ کر آخر یہ معاملہ پادریوں کے سپرد کیا گیا۔ قانون کی رو
 سے ایک قابل آوارہ آدمی کو کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ بصورتِ انکار
 مقید رکھا جائے۔ مگر ضعیف و ناتوانوں کو ان کے نگرانوں کے سپرد
 کیا جائے۔ جو کہ بستیوں سے کچھ جمع کر کے اپنے کھانے اور
 رہائش کا انتظام کریں۔“

ہم نے ہندوستان کے بارہ میں کوئی ایسی بات سناج تک سنی اور
 نہ کوئی ایسی تحریر پڑھی گورنمنٹ ہند نے بالکل کوئی نظری نہیں کی
 حالانکہ طبقہ غریب میں ایسے شخص بے شمار ہیں جو بالکل غریب ناتوان
 ہیں۔

انگلستان میں غریب اور مصیبت زدگان کے لئے ہونڈ تک
 منظور ہو چکی ہوئی تھی۔ مگر ۱۸۳۲ء کے جدید قانون کی وجہ سے غریب
 کے لئے جگہ اسی لاکھ کے صورت میں تیس لاکھ ہونڈ منظور کیا گیا

مگر کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ نے ہندوستان میں چھوٹوں کی مدد کے لئے کوئی رقم مقرر نہیں کی جس میں جواب دے

گیارہواں باب غلامی کی ذمہ داری

جس میں اپنی ذمہ داری ہوتی ہے چینی کو نہ روک سکتی ہوئی ہندوستانی قوم کو پہنچے بلکہ اس کے بچوں اور غورتوں پر بھی اعتراضات کا طومار باندھتی ہوئی لکھتی ہے کہ ہندوستان سب کا سب سوراج کے ناقابل ہے اس سے اس کی استعداد و قابلیت کا کافی پتہ ملتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ہندوستانی مائیں اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو محرب اخلاق عادات کی بخوشی اجازت دیتی ہیں اور انہیں ایسی عادات کے سکھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ اچھے اور خوبصورت لڑکے بڑے آدمیوں کے سپرد کر دئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ ان سے غیر قیدی طریقہ سے نفاسانی حظ حاصل کریں۔ میں اس کے الفاظ بعینہ ذیل میں نقل کرتا ہوں:-

”ملک کے بہت سے حصص شمال و جنوب میں خور و سال لڑکوں کو اگر وہ بظاہر خوبصورت ہوں تو سکھایا جاتا ہے۔ اور ان کو جوان

اشخاص کی خواہش اور حفظ و لطف کے لئے جدا کیا اور بھیجا جاتا ہے۔ یا ان کو باقاعدہ مندر میں ایک بدکار اور فاحشہ عورت کی صورت میں رکھا جاتا ہے۔ بمطابق رواج والدین اس میں کوئی ہرج اور نقصان نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس امر پر نازان ہوتے ہیں کہ ان کا لڑکا دوسروں کو خوش کرنے کا باعث بنا ہے۔ یہ امر جہالت اور بے عزتی کا باعث نہیں خیال کیا جاتا۔ حقیقتاً وہ بھلائی اور برائی دیکھنے میں اس قدر دور ہیں جس قدر کہ ہم نزدیک تر۔ جیسے ہم میں مل خواہ بڑے خاندان اور اعلیٰ گھرانے کے کی ہو۔ یا ایک غریب طبقہ کی مگر وہ اپنی لڑکی کو اچھی طرح سلا میگی اور لڑکے کو بہادر بنانے کی کوشش کر دیتی۔ مگر ایسا کبھی نہ ہو گا۔ کہ اس کی بد عادات کو خاموشی سے دیکھتی رہے۔ جس سے کہ اس کی آئندہ زندگی پر بہت برا اثر پڑے۔

دنیا کے تختہ پر رہنے والی سب سے صاف و ستھری قوموں کو معلوم ہو کہ وہاں جہاں کہ مذہب یہ سکھاتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں خدا کا ٹھہور ہیں۔ ان کے لئے ایسی فضول باتیں کہنا کفر ہے ہندوستانی مستورات قومی ناموس کی محافظ اعلیٰ صفات کی مجسم ہیں۔ اس میں لڑکیاں عورتیں اور مائیں سب شامل ہیں۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں آدمی نے بوجہ اپنے جنسی اقتدار قدرے بڑائی حاصل کر لی ہے۔ اور اکثر جگہ عورتوں اور مردوں کا حق برابر ہے۔ ہندوستان کے دیگر حصوں میں عورتیں پردہ

میں ہتی ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک جماعت میں ہنیوالی مستورات کی زندگی میں دوسری جماعت کی عورتوں سے بہت محوڑا فرق ہو گا۔ اور عموماً مردوزن کی زندگی میں کم و بیش فرق ضرور ہوتا ہے۔ ایک انگریز شاعر کہتا ہے۔

”خدا نے عورت و خوض اور بہادری کیلئے آدمی کو پیدا کیا۔ کشش شیرینی شرم اور ملائمت میں عورت کو بڑھا دیا۔ وہ صرف خدا کے لئے ہے اور یہ خدا کے لئے اور خدا اس میں موجود ہے۔“
منوکے قوانین میں سے ایک یہ بھی ہے۔

”فرالض شناس لڑکیاں اپنے والدین کی فرمانبردار ہوتی ہیں خاوند اپنی فرض شناس عورت پر حکمرانی کرتا ہے۔ بیٹا بیوہ اور بڑھیا ماں کی محافظت کرتا ہے۔ اس طرح عورت کی زندگی کبھی کسی فرض سے سبکدوش نہیں ہوتی، اپنے خوش ہونے کے لئے مذکورہ بالا خیالات لطیفہ کو پرانے کو یا ناقابل عزت یہ اختیار ہے ہر شخص اپنی نیکی بد رائے کے اظہار کر نیکا مجاز ہے۔ ایک شخص یہ کہنے کا مستحق ہے۔ کہ آدمی اور عورت کی زندگی میں فرق ہے۔ عورت کے رہنے کا طریق الگ۔ زندگی کی شاہراہ پر چلنے کا اصول جدا۔ اور اس کی دلچسپیوں میں حصہ لینے کا راستہ علیحدہ۔ اس جنسیت کی بحث میں ہر ایک کی رائیں جدا جدا ہیں۔ مس میو جینیت ایک نہایت ذہنی شعور اور اور عقلمند ہونے کے یہ کہنے کی حقدار ہے۔ اور وہ پردہ کے متعلق جو چاہے کہہ سکتی ہے۔

کیونکہ دنیا سے عقلمند چوتھیری انکے متعلق اس کے پاس کوئی ثبوت
 ہی نہیں جن کی عادات و اطوار سے وہ بالکل نا بلد تھے۔ اس
 کی معلومات کا ذریعہ ہنایت کہنے قلوب ہیں اور اس کی رہائش
 بھی ایسے ماحول میں ہوئی۔ اور انہی کو وہ خوش کرنا چاہتی ہے
 اور ان کے ہٹائے ہوئے حالات کو وہ کبھی غلط خیال نہیں
 کر سکتی

مندوستستانی عورتوں کے حمل سے کم خطرناک اور صہیب حملہ
 جن کے اخلاقی کی برابری میں دنیا کی کوئی قوم نہیں اٹھ سکتی۔ اس
 کا کم خطرناک حملہ مندوؤں کے شیوجی جہاراج پر ہے۔ اسلئے کم
 کہ وہ تمام کائنات کا خدا ہے اور وہ نیلاش کی پہاڑیوں پر بموجب
 پرائوں کی تحریک کے مقیم ہے۔ تاکہ امریکن سیاحوں کے اتفاقی حملہ
 کی رو سے محفوظ رہ سکے

شیوجی جہاراج مندوؤں کے سب خداؤں سے بزرگ اور
 بڑے ہیں۔ اس کے اعضائے تناسل کی تصویر مندروں میں
 سڑکوں پر دنگھروں میں لگی رہتی ہے۔ اور بطور تعویذ ان لوگوں
 کے پاس رہتی ہے۔ اس عضو مخصوص کی روزانہ اس کے پیرو بوجا
 کرتے ہیں " میس میو اپنی کتاب میں لکھا ہے

میں برہمنوں کا برہمن ہوں۔ میں اپنے طفلی کے عالم میں شیوجی
 کی پوجا کرتا رہا ہوں۔ اور میں نے شیو کے بت پر پانی ڈالنے
 کی پوجا کی ہے۔ پوجا سے قبل ہر روز میں نہایا کرتا تھا۔

اور یہ میرا دستور العمل تھا۔ مگر اب سال ہا سال سے میں نے یہ عمل ترک کر رکھا ہے۔ مگر میں نے اپنی پوجا کے زمانہ میں عضو مخصوص کبھی نہیں کیا جیسا کہ مس میو کو معلوم ہوا ہے۔ کہ شو کے عضو مخصوص کی پوجا کیجاتی ہے۔ اور مجھے سب سے پہلے اس بات کا پتہ صرف مس میو کی کتاب مدر انڈیا سے ہی لگا ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے۔ یہ بعض کورین اور کوتہ نظر پادریوں کا نتیجہ ہے پادریوں نے خود یہ بات کسی شو کے مخالفوں یا بت شکنوں سے سنی ہوگی۔ چو کہ بت پرستی کو مطعون کرتے ہیں یہ بحث انسان کو مانند دوسری مذہبی بحثوں کے بالکل بنادینے والی ہے۔ کیا بے دین و لاندہب شخص عیسیٰ مسیح کی پیدائش کے متعلق محض مریم بہتان نہیں لگاتے رہے۔

ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق شیوجی تین خداؤں میں سے ایک ہے۔ برہما پیدائش کا دیوتا ہے۔ ویشنو حفاظت کا اور شیو بربادی کا دیوتا ہے۔ شیوجی کی جو خراب تشریح مس میو نے کی ہے۔ یقیناً وہ شیوجی کی مقدس تحریر کے مطابق نہیں۔ کہ وہ برباد کنندہ ہے۔ پیدا کنندہ نہیں ہندوؤں کے دلوں میں شیوجی کا روحانی انکشاف بربادی اور خود بینی پورے طور پر جاگزیں ہے۔ اب تک ایک کہانی جو کہ میں نے اپنے عالم طفلی میں سنی تھی۔ بیان کرتا ہوں۔ وسوانا تھ جس کا دوسرا نام شیوجی ہے۔ ایک دفعہ اپنی خدائی چھوڑ کر مرگھٹوں میں جا کر بیٹھ گیا اور وہاں اس نے مردوں کی جلی

ہوئی خاک اپنے جسم پر مل لی اور اس طرح سے اس نے اپنے آپ کو ذلیل کر لیا اس کے آگے دیکھئے شوجی کے پاس ایک انسانی کھوپڑی تھی جس میں کہ وہ بھیک مانگا کرتا تھا۔ مقام خور ہے کہ ساری فدائی کا مالک اس طرح ذلیل و خوار پھرے یہ صرف خرافاتی ذریعہ ہے۔ اور اس سے بچوں کے قلوب پر یہ نقش کیا جاتا ہے انسان فانی ہے۔ عزت اور دہن کچھ نہیں اور وہ یکروزہ حیات کے لئے کیوں کسی کو تکلف اور نقصان پہنچائے۔ کیا مغرب میں ہر ایک طالب علم لایعنی اور مافوق الفطرت کہانیاں زہرہ مشتری۔ مریخ اور اسی قسم کے دیگر دیوتاؤں کے متعلق نہیں پڑھتا۔ کیا ان میں سے ایک نے اپنی چہرہ کی مدد سے ایک کوسور کی شکل میں تبدیل نہ کر لیا تھا؟

امریکن مصنفہ آگے لکھتی ہے جنوب میں دیشنو کے پیرو بہت ہیں ان میں وائل عمری سے ماتھے پر نشان شروع کر دیئے جاتے ہیں اور اگر انہیں اس کی بابت پوچھا جائے تو لایعنی باتوں میں ٹال دیتے ہیں ہندوؤں کے لئے یہ قومی نشان ہے۔ اس امر کا کہ اس نے صبح اٹھ کر اپنی رسم کے مطابق غسل کر کے صبح کی پوجا سے فراغت حاصل کر لی ہے۔ ان رسوم کے برخلاف پنجاب میں مصلح قوم اٹھے۔ جنہیں قابل فکر یا صاحب ہیں۔ رشی دیا سند سرسوتی پنجاب میں جس نے آریہ مذہب کی بنیاد ڈالی۔ راجہ رام پن رائے اور کیشاب چندر سین جنہوں نے برہم سماج کی بنگال میں

تحریک جاری کی -

دیانند سرسوتی ہندوستان کا مارٹن لو تھرتھا۔ اس کی تعلیم نے تمام پرانوں کی ترقی کو روک دیا۔ اور لاکھوں شیخاں نے اس کے مذہب کو اختیار کر لیا۔ اس نے تمام افراد کو سابقہ ویدک دھرم کی جانب پھیرا۔ آریہ سماجیوں میں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں وہ ادنیٰ قوموں میں وہ کراہی ترقی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اخلاقی اور عملی ہر طرح سے وہ ترقی کرتے جا رہے ہیں انہوں نے بچپن کی شادی کی بری رسم سے نجات حاصل کر لی ہے۔ وہ لڑکیوں کو تسلیم دیتے ہیں دوران میں سے بناروں نے پردہ کو اتار پھینکا ہے۔ وہ اپنے سکول اور کالجوں کا خرچ گورنمنٹ سے نہیں حاصل کرتے۔ بلکہ میگزین خود ان کا بار اٹھاتی ہے۔ اور آریہ سماج اپنی تبلیغی جماعتیں سینکڑوں کمیونڈاد میں باہر بھیجتے ہیں۔ نہایت دلیر اور شاندار کام کر نوالے مبلغ آریہ علی الاعلان اپنی تعلیم کو بذریعہ وعظ کے بمطابق سابقہ ویدک دھرم کے پھیلاتے پھرتے ہیں۔ انکی ملکی وقوفی صلاح سے ایک مرتبہ (اب نہیں) گورنمنٹ ہند کو کچھ خطرہ ہوا تھا۔ نیز رشی دیانند سرسوتی نے تمام لالچیں بدعتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ آریہ سماجوں کے قومی نشان (چوٹی) نہیں اور نہ ہی وہ بدعتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ سچاؤ ویدک دھرم کے پیرو ہیں جو کہ مدت کے بعد دیویشنی اور وجود میں آیا ہے بوجہ اپنی بڑائی اور عظمت کے اور یہ سب تبلیغی جماعتوں

کی متفقہ کوشش کا نتیجہ ہے اور اس کوشش کی وجہ سے اور
 بڑھتے ہوئے سیلاب نے مسلمانوں اور عیسائیوں کی ترقی
 کو روک دیا۔ غالباً امریکن سپر کر نیوالی آریہ سماجیوں کی اس بڑھتی
 ہوئی ترقی کا واقف ہو گئی۔ مگر باوجود اس کے اس کی بڑھتی ہوئی
 ہر دلعزیزی پر متوجہ نہیں ہوئی۔ اس نے ہزار سال پرانی اور بوسیدہ
 کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ مگر موجودہ کتاب کا جو ہر ہندو کے لکھنچیل
 کی مانند ہے اور جسے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ شہری اور گاؤں
 کے لوگ سب مانتے ہیں۔ حوالہ بالکل نہیں دیا۔

صوبجات متحدہ راجپوتانہ اور پنجاب کے آریہ ہندوؤں کی طرح جو کہ
 برطانیہ کلاں کی آبادی سے دو چند ہیں بنگال میں برہمن سماجیوں کی
 تحریک ورون پرستے پیچپن کی شادی کی برائیاں جن کی بابت
 مس میونس نے خوب گہرا فتی کی ہے۔ بنگال میں نہایت تیزی
 سے مخالفت ہو کر یہ رسم بدلتی جا رہی ہے۔ شادی بیوگان
 کی تحریک جس کی مخالفت گورنمنٹ بھی تھی۔ اور اس نے اس معاملہ
 میں کوئی امداد ہیسم نہ پونچائی تھی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے یہ
 معاملہ مجلس قانون سازان میں بھی مناسب طریق پر پیش ہو گیا ہے
 غیر شادی شدہ نوجوان لڑکیاں اٹھارہ اور انیس برس کی عمر میں بنگال
 صوبجات متحدہ اور پنجاب میں عام دیکھنے میں آتی ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ
 میں مل کر کھانا اب ایک زندگی کا روزانہ مشغلہ بن رہا ہے۔

پھر وصلہ اور امنگ سے معمور قلب کے لکھ سوشل ریفارم نہایت ہی

سست تھی۔ حال ہی میں ملکی تحریک نے اس پر روشنی ڈالی ہے مگر پھر بھی یہ قابل فحس ہے اور ناگزیر کیونکہ جب بربادی کی انتہا ہو جائے اسی وقت ترقی کی انتہا ہو سکتی ہے۔ اور یہ ایک سوچ کا قول ہے۔ گو بربادی ایک نند و ہناک واقعہ ہے۔ مگر دوبارہ جاگے اور اٹھے ہوئے افراد اپنی ترقی کے حصول کے لئے بری طرح سے بے چین ہوتے ہیں۔ تصور جو ہو گا وہ یہ کہ ملکی اور قومی صلاح ہو۔ مگر قومی جھگڑوں میں خیالی اصول اور قاعدے اکثر پہلے طبقہ والوں سے واپس کر دئے جاتے ہیں جو نہایت کارآمد ہوتے ہیں۔ ایک سو راجٹ کا قول ہے سوسائٹی کی اصلاح اور درستی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت مقرر کی جائے ایک غیر ملکی اور اجنبی گورنمنٹ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ اپنا رعب داب قائم رکھے۔ اگر رعب داب کی کوئی ڈھال اور بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے تو لوگوں کا تعصب ہے۔ اس لئے انگریزوں اور گورنمنٹ کو اپنی تعلیمی اور کمائی پر شرمندہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ سوسائٹی کی اصلاحی تحریک کو عملی طور پر مدد نہ دے سکے۔

انگلستان میں سوسائٹی کی اصلاحی تحریک کامیاب ہو سکی اس لئے کہ وہ خود مختار ملک ہے۔ یکے بعد دیگرے لیڈر اصلاحی آواز بلند کرتے رہے اور ان کے لئے انتخاب ہوئے۔ ایک جماعت دوسری سے ہم سہی کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہی۔ ایک موقع پر مصیبت زدہ پارٹی نے اپنا آپ سنبھالا

اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ میں وہ ضمانت نہ دے سکے تو انہوں نے فوراً پتیرا بدلا اور دوسری جانب ہو گئے۔

یہ خود مختاری اور جماعتی اصول ہی کا نتیجہ ہے۔ کہ موجودہ انگلینڈ اس حالت میں ہے۔ انگلستان میں پرانی جماعتیں حکومت اور رعب داب کی وجہ سے ذلیل ہو گئی ہیں۔ سوشلسٹ پارٹی اس لئے معرض وجود میں آئی کہ وہ سوسائٹی کی اصلاح کی اعلیٰ تدابیر سوچ سکے۔ ایک ناخوش اور غیر قانع حکومت اب بھی اسی صورت میں ترقی کر سکتی ہے کہ وہ ناخوشی کے اسباب کو دور کر دے بد اخلاق اور غریب اشخاص اب بھی خواہ گھر پر ہوں یا دیگر ممالک میں بد اخلاقی کے عمیق غار میں گرنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ایک سورا جسٹ فیض کہتا ہے ”غیر خیال جماعتوں میں برائی کے جمع کرنا خیال انگلستان کے صاحب شعور افراد میں بہت قریب تر ہے۔ یہ خیال ان پارٹیوں کے متعلق ہے۔ کہ جو جنگ کے قابل اور آمادہ نظر آرہی ہیں۔ اس خطرہ کو خیال میں لانے کے لئے زیادہ غور کی ضرورت نہیں کہ تیس کروڑ دو در افتادہ اشخاص کو آہستہ آہستہ بلا کسی مزاحمت کے شہر بدر کر دیا جائے گا۔ اگر ہندوؤں کی اصلاحی گوجوشی قدرے کم ہو جائے تو اس کے یہ معنی نہ ہونگے کہ ان کی ملکی آزادی ترقی کر گئی ہے۔ اس نے اپنے سے دو گنا بڑوں سے لڑنے کا تہیہ کر لیا ہے۔

اگر آج ہندوستان کوئی چیز چاہتا ہے تو وہ طاقت ہے

جس کے بغیر نہ تو قومی ترقی ہو سکتی ہے اور نہ سوسائٹی فوش،
 مس میو یجسلیٹو اسمبلی کی چند خلافت اور مشہور بحثوں کا
 حوالہ دیکر لکھتی ہے جن میں کہ ۱۹۲۵ء کے غیر سرکاری بل کی
 جوشادی کی عمر کے تقرر کے لئے تھا۔ مخالفت ہوئی تھی اگر
 اس کو جھگڑنیوالے اصلاح کنندگان کیساتھ ہمدردی ہوتی۔
 اگر خوفناک تحریک کے محرک بجائے ہندوستانی افراد پر دینے
 کے اس کو قبضے میں کر لیتے۔ اُس وقت مس صاحبہ کو معلوم ہو جاتا
 کہ اسمبلی میں سوسائٹی کے مصلح کس سینہ زوری سے لڑتے ہیں
 اور اسی جگہ ہی جدید ہندوستان کی امید کا وعدہ لیا جاتا ہے مس
 میو کے نسبت اس بحث کے متعلق زیادہ واضح طور پر کہہ سکتا
 ہوں کیونکہ میں نے اس میں حصہ لیا تھا۔ میرا ارادہ اس جگہ اُن
 آرام سے بیٹھے ہوؤں کے سامنے اس بحث پر کچھ کہنے کا نہ تھا
 یہ بات نوٹ کر نیکے قابل تھے۔ کہ اس جگہ بیٹھے ہوئے آفیسر
 ہندوستانی پارلیمنٹ کی بربادی پر تلے ہوئے تھے اور بڑا بڑا
 وہ مخالفین جن کی وجہ سے بل سترد ہوا تھا۔ اور ترقی کر نیوالے
 جنہوں نے..... اس کو سمجھایا تھا
 کاش اگر ملک کی بہتری کے حکم کے لئے ملتجی ہوتے۔ تو آج
 ہندوستان میں بھی انگلستان جیسی گورنمنٹ قائم
 ہو گئی ہوتی۔

بارہواں باب

ملکی اور قومی فتنہ

مس میو کی کتاب کو لاپرواہی سے پڑھنے والے ایک جنگ تصور کر لیا کہ ایک جھگڑا شروع ہے مگر ایک ہوشیار پڑھنے والے پر یہ بہت جلد واضح ہو جائیگا کہ تو محی احساسات بہت حد تک بڑھ چکے ہیں تاہم فضا پر سکون ہے۔ مس میو کیسکی کہ قوم کا اصلاحی لاوا بری طرح بہ گیا۔ مس میو لکھتی ہے

”۱۹۱۹ء میں آتش ریز طوفان بپا ہوا۔ ہندوستانی کونسل کے لئے منٹو مارلے سکیم کا اجرا ہوا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام مسلمان اپنی خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔ اور اپنے حقوق کی خاطر مصروف پیکار نظر آنے لگے۔ اس لئے یہ صاف معلوم ہوا کہ منتخب شدہ مجلس قانون سازان اور جو اس میں فوائد حاصل ہوں۔ ان کے لئے ہندو یقیناً مسلمانوں کو غیر راستہ سے اصلی راستہ پر لانے کے لئے عملی طور پر طیار ہیں۔“

منٹو مارلے کی اصلاحات کا کسی طرح بھی جماعتوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مجلس اصناف قانون کی طاقت بہت ہی محدود تھی

اور انتخاب بہت تنگی سے ہوا ان باتوں کو معلوم کرتے ہوئے
 سند و اور مسلمانوں نے اصلاحات کے لئے ایک خاص تحریک
 شروع کر دی آل انڈیا مسلم لیگ، ورائٹرز اینڈ پبلشرز
 مائیکو کمیشن کو پیش کر کے ساتھ ہی مسلمان برطانیہ پر سوراخ
 کا اظہار کیا۔

مسلم لیگ مسلمانوں کی طرف سے انگریزوں کی اصلاحات
 سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا ہوتا تھا اور انہوں نے مشترکہ سکیم
 پر کبھی ملنے پر طیارہ ہوتے۔

مانٹ فورڈ رپورٹ میں مسلمانوں کی تعداد درج ہو چکا تھا
 اور شہر کہ سکیم کی ضرورت تھی۔ مسلمانوں کی بھی خواہ وہ کور
 طور پر سکیم حل ہو کر بعد میں نہایت زیادہ ہو سکے۔ مسلمانوں کی
 مس یو کہتی ہے ”پھر مسلمانوں کی اصلاحات
 کی کثرت آگئی۔ اعلیٰ طاقت کے تغیر کیسا تھا اگر ترقی پاتھوں سے
 ہندوستانی ہاتھوں میں آنا اور ہندوستان میں سال کے بعد فضا
 کا تبدیل ہونا معلوم ہے۔ اور اب تک اس اصول میں اصلاح
 نظر نہیں۔ کیونکہ تیسرا دور ۱۹۲۹ء بہت نزدیک ہے جبکہ
 مسیری مرتبہ فضا کے خراب ہو چکی ہیں۔ جبکہ ذرا سی بات
 پر ہر دو اقوام میں ملنے کی امید جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ وقت
 نزدیک آ رہا ہے۔ اور بتدریج فضا بگڑ رہی ہے۔ اور ہر دو
 جوانب کے حریف ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں کہ پہل کون کرے“

اس میں شک نہیں کہ قومی حالات کا مانٹ فورڈ کی اصلاحات سے بہت کچھ تعلق ہے۔ اصلاحات کی بنیاد بہت بری طرح سے غلط ہے اور یہ ملکی نہیں بلکہ قومی ہے۔ مانٹنگو کی اصلاحات کے تحت اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی انتخاب مارلے اصلاحات کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے۔ انگلستان کے اتحاد کی طرح ہندوستان کا قومی انتخاب ایک الگ شے ہے اور اسی میں نقصان پوشیدہ ہے۔ گزشتہ ایک صدی سے قبل یہودی آزاد نہ تھے۔ اور جب وہ پارلیمنٹ کی دفعہ کے بموجب آزاد قرار دئے گئے اس وقت ان کے لئے کوئی خاص عرصی پیش نہ کی گئی تھی برطانیہ کے یہودیوں پر اس آزادی کے سلوک کی اس جانب غیر آزاد ہندو مسلمانوں کو بھی سخت ضرورت ہے۔ میں صاف طور پر تسلیم کرتا ہوں کہ مسٹر مانٹنگو کی گمراہی اور بھٹکنے کی ذمہ داری نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے مدبران کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب اس نے کانگریس لیگ کی سکیم کو نامنظور کیا۔ یہ دیا اور ہربانی کی کہ اس نے صرف برائیوں کو تسلیم کیا۔ مثلاً علیحدہ بیان اصلاحات محض تجربہ کے طور پر تھیں ۱۹۲۴ء کے شیڈی کمیشن کا مقصد صرف گزشتہ زمانہ کی غلطیوں کی اصلاح ہے دومی شعور اشخاص انگریز ہندوستانی ہندوؤں پر اس نتیجہ پر پونچے ہیں کہ فرقہ دارانہ ٹھینچاتانی کا قومی انتخاب کیسا تھ بہت تعلق ہی۔ آئیڈلسٹ کہتے ہیں دو فرقہ دارانہ انتخاب کو زمین

میں دفن کر دو اصلاح وغیرہ کچھ نہیں، اعتدال پسند اس پر کہہ سکتے ہیں۔ ”اصلاحات کے لئے کوشش کرتے جاؤ۔ انتخاب یک جا ہی۔ اور فرقہ داروں کو علیحدہ قائم مقامی سے یکجا انتخاب کے ذریعہ سے آپس میں ملاؤ۔ تجربہ کار مدبران کے کہنے کے مطابق موجودہ انتظام کو جانے دو اور جہانگیر کا انتخاب کا تعلق ہے ایک بڑے ہوئے یکجائی انتخاب میں فرقہ دارانہ قلت کے لئے نشستیں مقرر ہو چکی ہیں۔ اس رائے کے مطابق یک جا انتخاب ایک کامیابی ہے۔ اور اس کے ذریعہ بہت سی ہندو اور مسلم گاؤں کی رہنے والی جماعتیں بھی شامل ہو جائیں گی۔ جو ابھی تک آزاد نہیں ہوئیں۔

موجودہ انتظام کے ماتحت مسلمانوں کو صرف مسلمان کو ووٹ دینے کے لئے ایک علیحدہ مقام انتخاب پر جانا ہو گا۔ اور اسی طرح ہندوؤں کو بھی اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فرقہ دارانہ انتخاب کے لئے ہر ہندو اپنی طرف کسی غلے ہندو کو اور مسلمان اپنی صاحب دانش مسلمان کو ووٹ ہونڈے گا۔ اگلے ہندو اور اعلیٰ مسلمان البتہ پرانے ہیں مگر سب سے بڑے ہیں۔ اور جو ملکی اصلاحات ہیں وہ اس طرح فرقہ دارانہ اور مذہبی صورت اختیار کر لیتی ہیں کیونکہ اعلیٰ آدمی پرانے عقیدہ کے پیروں سے مسیس میو سر یا میکمل آؤڈوٹر اور مارننگ پوسٹ کی رائے بیان کرتی ہے جو کہ یہ کہنے میں کبھی بھی نہیں ٹھکے کہ ایک حد تک فساد کی ذمہ دار اصلاحات ہیں جو کہ مائیکلو کے زمانہ سے قبل بالکل نہ تھا۔ اور وہ ایک حد تک

درست بیان کرتی ہے۔ جو جانتیں آزاد کی گئی تھیں ان کو ایک الگ جگہ رکھا گیا۔ انتخاب کے امیدوار اس بات پر مجبور ہو گئے کہ اپنے کارندوں اور مختاروں میں فرقہ دارانہ تبلیغ کریں اور اپنی فرقہ دارانہ خصلت کو مجلس قانون سازان میں اپنی باری پر ظاہر کر کے دکھائیں

ذیل میں مطالبات کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

”کیا ہر بانی کر کے گورنمنٹ یہ بتا دیگی کہ آبادی کے لحاظ سے پولیس انکمپٹر کتنے ہیں؟“ کیا ہر بانی کر کے گورنمنٹ ہند یہ بتا سکتی ہے کہ ایک ہندو پوسٹ ماسٹر کی جگہ ایک مسلمان کو کیسے مل گئی“ علیٰ ہذا القیاس انتخاب کے موقع پر ایک ہندو امیدوار کی تقریر بطور نمونہ پیش ہوتی ہے۔ چونکہ وہ برہمن تھا اور ایک سورا جٹ کی لیمبلیٹو کے موقع پر صرف اس لئے مخالفت ہوتی کہ اس نے مسلمانوں کیساتھ ملکر کھانا کھایا اور یورپین کیساتھ مسیٰ نوشی کی سورا جیہ نے اس کا موڑ کر ان الفاظ میں جواب دیا کہ (سوراجیہ) اپنے عیب میں سے بہتر ہندو تھا۔ اس کا مذہب مطبخ اور اس کا خدا پکانے کا برتن نہیں۔ مگر اس کے پاس بمطابق وید کے اچھوت کے برخلاف جہاد کرنے کی منظوری موجود ہے۔ اب اصل بات یہ ہے کہ سورا جیہ ہندو کیساتھ ایک گھر نے اور اعلیٰ اصول کے ساتھ بحث کرتا ہے۔

ایک مجلس و اصنان قانون کا امیدوار مجبوراً انتخاب کو جیتنے

کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کسی غلطی کا مرتکب ہے۔ تو جب تک اس کے دوسری حریف سے وہ غلطی یا یہ ثبوت کو نہ پونج جائے۔ وہ کیسے مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کو (امید و سرکوب) چاہئے کہ پرانے مقولہ پر کہ محبت اور لڑائی میں سب کچھ جائز ہے۔ عملدرآمد کر کے اپنا کام نکال لے۔ انتخاب میں عشق اور جنگ دونوں شامل ہیں محبت ان کے لئے ہے جو اپنا وقت و روپیہ اور طاقت صرف اسی لئے خرچ کرتے ہیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں۔ جنگ ان کے لئے ہے۔ جو ایک دوسرے کے لئے نہایت بے رحمی اور بدنیتی کی خاطر جاتے ہیں۔ فوری مقصد صرف کامیابی ہے اور تمام اخلاقی تخیل کے لئے قوانین اور اصولوں پر سختی سے پابند رہنا چاہئے۔

جب انتخاب کا وقت آتا ہے ہندو سبھا کے اچھے اور اعلیٰ امیدوار..... ہندو سبھا کی طرف سے جو کہ ہندوؤں کی ایک جماعت ہے۔ نہایت بیہودہ طریق پر کھڑے ہوتے ہیں۔ نہایت خراب طریق پر کہتے ہیں۔

بھائیو ہماری زندگی کی تاریخ میں ایک نہایت ہی نازک وقت آن پونچا فتنہ مانند مہیضہ اور انقلابوں کے بہت عام ہو گیا ہے۔ برطانیہ کی حکومت نے نہ تو اس کے التداد کی کوئی تدبیر سوچی ہے اور نہ اس سے بچاؤ کی کوئی صورت اختیار کی کہ جس سے فتنہ دب

اور نجات اور صلح کے زمانہ میں سرکار مسلمانوں کی رعایت کرتی ہے۔ کیونکہ وہ تعاون کے خواہشمند ہیں۔ اور سرکار مسلمانوں سے بہت اچھا سلوک کرتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وفادار ہونے کا دھوکا دیتے ہیں۔ دراصل آخر کو وہ بہت بے ایمان ثابت ہونگے مگر جب تک ہندو کانگریس عدم تعاون پر کاربند ہے۔ اور ذات پات کا لحاظ ہے۔ مسلم مدبران ملی سرکار کے ساتھ دھوکا ہی کریں گے مسلم مدبران ہندو مدبران سے زیادہ ہوشیار اور اچھے ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے اس غلامانہ تعاون میں جیت جاویں اس کے علاوہ گنوماتا ہے جو انگریزوں کے ہاتھ سے محفوظ نہیں اور بڑی تعداد میں ذبح کی جاتی ہے۔ اور اس کا ذبح کرنا ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ ہم انگریزوں کے ساتھ کم برتاؤ اور کم تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے اچھے اچھے آدمیوں نے عدم تعاون اختیار کر رکھا ہے۔ ہندو امیدوار مجلس قانون سازان کا کا پہلا فرض ہے کہ وہ مجلس قانون سازان میں جا کر گائے کی حفاظت کا مطالبہ کرے۔

مذکورہ بالا گزارش فرقہ دارانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہے جس کا تعلق جاہل منتخب کنندگان اور نیم تعلیم یافتہ سے ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور ادنیٰ درجہ کی اپیل ہے وہ یہ ہے ”گنوماتا اور گنگا اور ہندو دھرم کے مقدس دیوتاؤں کا واسطہ ہے کہ سورا جٹ کے لئے ووٹ بالکل نزدکو کیونکہ وہ مسلمانوں

سے الگ ہو کر سورا ج چاہتا ہے۔ وہ شدمھی اور سنگھٹن کو نہیں مانتا اور وہ مسلم تبلیغی جماعتوں کی ان حرکات کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا جو کہ ہندوؤں ہندوؤں کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کر رہے ہیں وہ (سورا جسٹ) مجلس قانون سازان میں جا کر ہندوؤں کی طرف کی بات نہیں کہتا۔ کیونکہ اس کا خیال فرقہ وارانہ ہے۔ اور اس کے عمل مذہبی رنگ میں ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس ایک مہیم امیدوار مسلمان ایسی ہی پیل کرتا ہے بھرے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ہمیں خدا کا جس کے قبضے میں ہمارے آئینوا لے انتخاب کی باگ ہے شکر گزار ہونا چاہئے۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ وہ میرے لئے ووٹ لے برادران اسلام آپ جانتے ہیں میں مسلمانوں کی اسامیوں اور جگہوں کے لئے جن پر کہ مسلمان بیکار ہندوؤں کے مقابلہ میں کام کریں۔ سینکڑوں سوالات کرتا ہوں (ایک آواز:- ان کا کیا حشر ہوا) ”اچھا مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ اچھا سلوک گورنمنٹ کرتی ہے۔ وہ صرف میری تحریک کا نتیجہ ہے۔ یاد رکھئے اپنی مسلم یونیورسٹی کے لئے میں گورنمنٹ سے نسبتاً زیادہ روپیہ امداد کے لئے دلاؤں گا۔ عیار پنڈتوں کی نسبت جو اپنی یونیورسٹی کے انتظام کے لئے حاصل کرتے ہیں۔“

اس کے بعد ہندو پریعت و ملامت اور جوش میں لائیو لے کلمات استعمال ہوئے۔ امیدوار جاتا ہے کہ اُس کے

منتخب کنندگی تمام کے تمام مسلمان ہیں جس قدر اپیل میں سلام کی حمایت کے کلمات ہوئے اتنے ہی زیادہ کامیابی کی امید ہے نیز اس کا حریف اگر بفرس نچال نیشلسٹ واقعہ ہوا تو اسے بہت رنج واقعہ ہوگا۔ کیونکہ وہ قوم پسند ہوگا۔ اور اس صورت میں ملنا ایک ہندو کو کیسے ووٹ دے سکتے ہیں۔ خواہ ہندو اسلام کی بہتری کے لئے کتنی ہی امید دلائے ایک مشہور مسلمان لیڈر کی اس لئے مخالفت کی گئی۔ کہ اس نے ایک کافر ہندو کیساتھ ملکر دیکھنی (ایک خراب) پی بنے۔ وہ سبکی صرف اسلام میں ہی منع نہیں بلکہ پیرائے ہندو دھرم میں بھی خراب ہی لکھی ہے۔ اسی لیڈر کی ایک اور بڑی چیز پر مخالفت ہوئی کہ اس سے ملکی معاملات میں ایک ہندو بہتر تھا۔ اور ایک انگریز مسلمان سے سوشل معاملات میں اس میں تھا۔ جس نے اعتدال قانون ملکی ہے۔ فرقہ دارانہ حمایت نہیں اس کا وجود جائز اور قانونی مطالبات کے لئے ہے۔ وہ تمام کاموں کو بجائے پارلیمنٹ کے انجام دیتی ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ اسمبلی کو دوسرے الفاظ میں ہندوستان کی پارلیمنٹ کہنا چاہئے ہوگا۔ اس کا مقصد ملکی معاملات کفایت شعاری شعار و باری اور جائز حقوق کی دیکھ بھال ہے۔ اس کا مقصد فرقہ دارانہ جھگڑے نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ملکی بحث کی تحت میں فرقہ دارانہ بات ہو جائے۔ آئیو اے انتخاب پر اس کا اثر پڑے نیز فرقہ دارانہ مطالبات صرف وہی فراد چاہیں گے جنہیں آئندہ ضمیر ہونی کی امید نہ ہو۔

یہ مسلم بات ہو کہ منتخب کنندہ قانون اصلاح کو تسلیم کرتا ہو
 انتخاب کے اعلیٰ مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ روپے کا
 خرچ کافی ہو۔ مگر تاہم یہ ایک مفید پروپیگنڈا ہے یہ ہرگز مفید
 نہیں ہو سکتا کہ الگ ہو کر فرقہ دارانہ طور پر خراب اصولوں کے
 ماتحت اپنی قوم کے ووٹ لیکر جبر ہو جائے۔ ہاں اس سے یہ
 ہو سکتا ہے فرقہ دارانہ آگ سے مقام انتخاب پر کامیابی ضرور
 ہو جاتی ہے۔ مگر کوئی مفید مطلب نتیجہ برآمد ہونا مشکل ہے فرقہ دارانہ
 پروپیگنڈا سے سوائے رعایا پر ظلم کے اور کچھ ہاتھ نہیں آ سکتا
 اور نہ ہی گورنمنٹ کو اس سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہو۔ اور یہی وجہ
 ہے کہ مانیٹنگو ایکٹ نہایت ہی شریف منش شخص نے تحریر کیا
 کر کے نافذ کیا۔

مس میوزیر لب ہندوستان کی ان فتنہ انگیزیوں پر
 ہنستی ہے۔ اور ساتھ ہی حیران ہے کہ اگر ہندوستان اپنے
 معاملات کو سمجھانے اور دیکھ سکنے کے قابل تھا تو ان فتنوں
 اور شرارتوں کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ ایک سوراہیہ جواب دیتا
 ہے: "یہ منتظمین کا فرض ہے کہ وہ ان فسادوں اور فتنوں
 کو روکیں۔ سوراہیہ گاندھی کے زمانہ کی یاد دلاتا ہے کہ اس وقت
 عدم تعاون کر نیوالوں نے یقین دلایا تھا کہ وہ ملک کی عنان
 کو سنبھال سکتے ہیں۔

مس میوزر لب سوچتی ہے کہ عدم تعاون کر نیوالوں کا ہندو مسلم اتحاد

اور انکا طرز حکومت بہت ہی ہنسی کے قابل ہے۔ ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں

”جنگ کے بعد ملک کی ہوا قدرے مکدر ہوئی اس لئے اس وقت کے لیڈروں نے ایک نچندہ انگیز اتحاد کا سوانگ بہرا۔ مسٹر گاندھی خلافت کی تحریک میں فوراً ان غارتگروں کے ساتھ (علی برادران کی طرف اشارہ ہے) شامل ہو گیا۔ خدا نخواستہ اگر مسلمانوں کے قدم ذرا بھی لڑکھڑانے۔ تو منتظمین برطانیہ کو مفت میں پریشان ہونا پڑتا۔ مگر مقام مسکر سے کہ خلافت کا جھگڑا جلد ہی ختم ہو گیا اور گاندھی اور علی برادران کا اتحاد اور برادری کا صرف ایک ہی واقعہ بطور یادگار رہ گیا۔“ اس کے بعد وہ مال و جان کی تباہی اور مالا بار کی فتنہ انگیزوں پر غور کرتا ہے۔ مالا بار کا واقعہ ناگہانی تھا۔ اور اس قسم کا اس خوشنما حدود کی تاریخ میں اس سے قبل کبھی واقعہ نہیں ہوا۔ میں ایک مالا باری ہونیکی حیثیت سے مسیو کی نسبت ان واقعات کو زیادہ وضاحت کیسا بہتہ بیان کر سکتا ہوں۔ تمام فتنے اور فسادات فالصنہ سوسائٹی کی اصلاح کے لئے تھے۔ وہ شہری تھے اور اس صورت میں وہ پولیٹیکل کہلاتے تھے مگر دراصل آکا گاندھی کی تحریکات کیساتھ بالکل کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ گاندھی نے اپنی تحریک میں کاشتکاروں اور مزدور پیشہ کی بابت کچھ نہیں کیا تھا۔ بچنے بڑے نیندار تھے سب ہندو

تھے۔ اور جو غریب مزدور تھے وہ سب کے سب موپلہ تھے۔ مالا بار
 میں مسلمان مزدور موپلہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ان
 میں یعنی مزدوروں میں بہت جلد بارود کی مانند آگ بھڑک اٹھی اور
 ان میں اس طرح فتنہ اور فساد پھیلنا اصل میں مالکان اراضی کے
 متعلق تھا۔ موپلہ فسادوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا
 آسان نہ تھا۔ اس کے روکنے میں سب ہندوستانیوں اور
 انگریزوں نے مسلم اور ہندوؤں نے حصہ لیا۔ پولیس فیسر الگ
 اس کے روکاؤ کے لئے حیران تھے۔ اس طرح سب کی جانیں
 معرض خطر میں تھیں۔ مجھے ایک یورپین مالا بار کے کلکٹر کا واقعہ
 یاد ہے۔ گرمی کے موسم میں وہ قمیض پہنے پودا گرم کے گاؤں
 کی طرف جہاں کہ فساد ہو رہا تھا۔ اور جہاں شہور سید ہولڈر
 تھا جا رہا تھا۔ یورپین نے اپنی آستینیں چڑھائیں۔ کہتے کے
 بن کھول کر مسلمانوں کے جنگی اوزاروں کے سامنے اپنا سینہ
 تان دیا۔ پھر کیا طرفہ العین میں تمام فساد فرو ہو گیا۔ اور تمام
 موپلوں نے صاحب کی بڑی تعریف کی۔ یہ قاعدہ ہے کہ موپلے
 اپنے معزز رقب کو ہرگز نہیں مارتے جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ
 انکا حریف کمینہ بزدل اور کمینہ در ہے تو اس صورت میں اس کو
 ہرگز نہیں چھوڑتے۔

سن میو کہتی ہے بات یہ ہے کہ مسٹر گاندھی ظریف الطبع
 علی برادران کی بات کو جواہروں نے پوشیدگی سے کہی تھی نہ مانا

اور وہ یہ بھی کہ موپلوں کے لئے سوراج کے یہ معنی ہیں کہ موپلے تمام دنیا کے اسلام کے حاکم ہو جائیں اور جوان کا جی چاہے کریں بت پرستی ہرگز نہ ہو اور اس طرح ہندوؤں کا جینا دوہر ہو جائے میں نے جب ان سطور پر منظر دورائی تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ کیا مس میو مالا بارگئی بھی تھی یا نہیں اس سے آگے ورق گردانی کرنے اور پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اس کا یہ خیال ہے جو صرف سنی ہونی باتوں پر مبنی ہے اور اس نے اعتراف کیا ہے کہ اس کا اصلاح کنندہ قابل درہوشیار ایک یا ستھانے متحد امریکہ کا ایجنٹ تھا۔

سب سے پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ موپلہ لوگ گاندھی اور علی برادران کو کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ موپلے ملایا لام زبان بولتے ہیں جو وہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ حقیقت میں انکا تعلق گاندھی سے کچھ ہی نہیں۔ کیونکہ وہ بکری کا دود پیتا ہے۔ اور پھل کھا کر گزارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ عدم تشدد کی تعلیم دیتا ہے۔ انہوں نے عدم تشدد پر مضحکہ اڑایا۔ اور کانگریس میں شریک نہ ہونے سے بوجھتے تو موپلہ اچھے مسلمان نہیں۔ کیونکہ وہ بت پوجتے ہیں اس جگہ ایک عظیم الشان مندر ہے جو عین ویکام کے سامنے ہے موپلون اور ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ویکام ٹھیں دیوتا سمندروں اور اس کی لہروں کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔ مندر کے پاس والے دریا میں پانی کی موجیں بہت زیادہ اونچی نہیں ٹھیں اور چھوٹے

بوٹ (چھوٹے جہاز) (Boat) انکے عقیدے کے مطابق ضرورت
 ویکٹھین (ہندو دیوتا) کی ہی تہربانی سے سلامت بچ سکتے ہیں
 حالانکہ وہاں طوفان بالکل نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک
 مشہور ہندو وکیل ٹریوٹنڈرم کو مدراس سے بذریعہ بوٹ (Boat)
 کے جا رہا تھا اس بوٹ کا چلانے والا موپلہ تھا۔ کیونکہ مالابار میں اکثر ملاح
 موپلہ ہی ہیں۔ جو یہی کہ بوٹ ہندوؤں کے مندر کے قریب پونجا موپلہ
 نے بوٹ کو چلانا چھوڑ دیا۔ بوٹ میں سے نکل مندر میں دعا و صلوة
 کے لئے چلا گیا۔ وکیل کو بہت ہی غصہ آیا۔ اس نے تانلی زبان میں
 جس کو موپلہ جانتا تھا کہا کہ مجھے مقدمے پر جانکی بہت ہی
 جلدی ہے۔ خیر موپلہ نے مندر سے واپس آ کر وکیل کو منہ کو پکڑ
 کر کھولا اور کچھ قدرے پرشاد (شیرینی) اس کے منہ میں ڈال
 دیا۔ اور کہا بغیر ویکٹھین کی اجازت کے میں یہاں سے ایک قدم
 آگے جانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

دوسرے میں یہ بتاتا ہوں کہ موپلے تمام ہندوؤں کے مندروں
 کے محافظ ہیں۔ فتنہ و فساد کے نازک زمانہ میں یہی موپلوں نے
 پجاریوں اور بتوں کو بالکل نہیں چھیڑا اور ان کے لئے انکا چھپرنا
 ایک گناہ عظیم خیال کیا جاتا ہے۔ اصل میں انکی زندگی کا مقصد
 بت شکنی نہیں ہے۔ وہ عربی نہیں جانتے وہ قرآن شریف کو
 دوسرے ہندوستان کے علاقوں کی طرح نہیں پڑھتے۔ خواہ
 شمالی ہند کے باشندے عربی میں پڑھتے سے اس کے معنی نہ ہی

سمجھتے ہوں۔ مگر پڑھتے تو عربی میں ہیں۔ انکا اپنا مولوی ہے جو عربی سے نا آشنا ہے۔ وہ نماز میں دعائیں اپنی زبان ملایلام میں پڑھتے ہیں۔ عربی زبان میں نہیں پڑھتے جیسا کہ تمام مسلمانانِ عالم عربی زبان میں نماز پڑھتے ہیں۔

تیسرے مولیٰ عورتیں مانند دیگر مسلمان عورتوں کے پردہ میں نہیں بہتیں۔ انکا مالا بار سے باہر مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں لیکن مسلمان نے جو کہ ساہا سال سے مالا بار میں رہتا تھا۔ ایک مولیٰ عورت سے شادی کر لی۔ عرصہ کے بعد اس نے اپنے وطن کو جانا چاہا۔ اور اپنے ہمراہ مولیٰ عورت کو جو کہ ایسا انداز و فاشعار تھی لکھنا چاہا تو اس نے مالا بار کے علاقہ سے باہر جانے کے لئے انکار کر دیا۔ اس لحاظ سے مولیٰ عورتیں محفوظ ہیں۔ وہ مالا بار کے علاقہ کے باہر والے مسلمانوں سے کوئی رشتہ و اتحاد قائم نہیں کرتیں۔ اور باہر کی نسبت اپنے وطن کو ترجیح دیتی ہیں۔ دولت اور کار و بار اور ان کو اس طرف رغبت نہیں کر سکتے۔ اور نہ ان میں ایسی چیزوں کی طرف سے کوئی کشش ہی ہے۔ انکا اصول ہے کہ گھر کی آدمی روئی باہر کی ساری سے بدرجہا بہتر ہے یہی ان کا اصول اور یہی انکا اعتقاد ہے۔

ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر مالکانِ اراضی کی طرف سے بہت سخت لگان لگا ہوا تھا۔ ان میں سے بہت سے عراق کی لڑائی سے ہو کر آئے ہوئے تھے۔ گاندھی کے عدم تشدد کی میعاد اور زمانہ گزرنے کے بعد انہوں نے اپنی

بے قاعدہ جنگ شروع کر دی۔ انکو قبل سے معلوم تھا کہ ان پر برطانیہ کی افواج قابو پا لینگیں۔ انہوں نے ریپوے لائون کو اکھاڑ دیا۔ تار کے کبجے گر اگر تار کو کاٹ دیا۔ ڈاک خانہ کا محاصرہ کر کے پوسٹ ہاؤس کو شہر بدر کر دیا۔ شہر بدر انکو کیا جو ہندو تھے۔ مسلمان سپاہیوں سر اڑائے۔ مس میو کہتی ہے۔ پلوہ کے شروع میں ایک یورپین پلانٹر (انگریز کاشتکار) مارا گیا اور یہ بالکل صحیح ہے۔ وہ ایک نہایت شریف اور مہربان پلانٹر) تھا اس کا مزدوروں کیسا تھ بہت اچھا سلوک تھا۔ بلکہ اسے دھمکانا اور لٹکانا چاہئے تھا اور اصل بات یہ ہے جس کا نہ تو مس میو کو پتہ ہی ہے۔ اور نہ اس نے اس کا ذکر کیا۔ سفید کاشتکار کی تقدیر میں کئی سیاہ فام لگاؤ اراضی کے لئے لڑ کر مرنا تھا۔ موقع پر سپاہی پوینچ گئے کئی ایک سوہیوں نے پہاڑیوں میں پناہ لی۔ جب فوج جو کہ جنگی موٹروں میں موقع پر آئی تھی۔ چلی گئی۔ موپے پھر باہر نکل آئے۔ اور اگر انہوں نے ہندوؤں کو نہایت سرحمی سے سزا دی اس لئے کہ انہوں نے جاکر کیوں سرکار کو مطلع کیا۔ اور سرکار نے انکے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ اور اس کے علاوہ اور سہولتیں ہم پوینچائیں۔ تمام ہندو مسٹر گاندھی کے عدم تشدد والے اصول پر چل رہے۔ اور اس لئے انہوں نے موپوں کے تشدد کو حقارت نگاہ سے دیکھا۔ اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ انہوں نے گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کر لیا حالانکہ وہ عدم تعاونی تھے۔ اور یہ انکے مذہب میں داخل تھا۔ اور یہ فرض بھی

تھا۔ کہ وہ تشدد کے برخلاف عدم تشدد کے حمایت میں جیسا کہ مسٹر گاندھی نے انہیں سکھایا تھا۔ گورنمنٹ سے تعاون کر لیں۔

موقعہ کی نزاکت کو خیال میں نہ لاتے ہوئے مسٹر گاندھی نے مالا بار جانیکا ارادہ کیا۔ مالا بار کے ہندو اور مالا بار کے باہروالے مسلمانوں نے ہاتھ مٹا گاندھی کی جان کے خطرہ کو فوراً محسوس کیا۔ گورنمنٹ جو یہ جانتی تھی کہ مولیوں کی یہ کارروائی ملکی بہتری کے لئے نہیں۔ اس نے (گورنمنٹ) یہ بہتر نہ جانا کہ مسٹر گاندھی کو ایسی فتنہ انگیز جگہ جانے دیا جائے۔ اس لئے اس نے نہایت اچھی طریقہ سے مسٹر مولیوں کو مالا بار جانیسے روک دیا۔ کیونکہ یہ اس کا فرض منصبی تھا۔ علی برادران نے بھی مالا بار جانا چاہا۔ ان کی منشا یہ تھی کہ جا کر مولیوں کا گورنمنٹ کیساتھ تھماؤں کرادیں مگر ان کو بھی نہایت عقلمندی سے روک دیا گیا۔ کیونکہ علی برادران کا اقتدار صرف عدم تعاون کرنے والوں پر تھا۔ اور عدم تعاون کو مولیوں کی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جیسا کہ فرقہ دار مزدور پارٹی کی جانب مغضوب نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

ایک دفعہ جس کو سس مولیوں کا گاندھی علی اتحاد کے نام سے موسوم کرتی سیبہ بیان کرتا ہوں یہ کچھ کم تحییر خیز نہیں۔ مگر یہ طریقہ بہت ہی کامیاب تھا جس میں کہ تمام عدم تعاونی مل گئے۔ اور ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ ایک امن پھیل گیا۔ یہ نہایت فخر کے ساتھ کہا جاسکتا ہے۔ کہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے اب تک یہ اتفاق دیکھنے

میں نہیں آیا تھا۔ اور وہ اشخاص جو متکبرانہ لہجہ میں کہتے تھے کہ ہندوستان میں ہندو بکری مسلمان شیروں کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتی۔ اس اتفاق کی وجہ سے ان کے تکبر کا بالکل نام و نشان مٹ گیا اور ان کا کہنا غلط ثابت ہو گیا تھا۔

لارڈ نارٹھ کلف ہندوستان صرف لارڈ ریڈنگ کیساتھ کسی مرپر گفتگو کرنے کی غرض سے تشریف لائے ان کا آخری پیام جو شہنشاہیت پسندی سے دور تھا۔ اور جو انہوں نے قاہرہ سے بھیجا تھا۔ بس یہی تھا کہ خلافت کو سوراج سے الگ کر دیا جائے سو خلافت خود بخود علیحدہ ہو گئی۔ اور انگوڑا کے ذہن و دانشمندان نے قرون وسطیٰ کے پرانے وبال کو بلا کسی دقت کے بالکل الگ کر دیا۔ خیر خواہ کچھ ہو۔ مگر گاندھی علی اتحاد کا الگ ہونا اور عبدالحی بالکل ضروری تھی۔

مملکت برطانیہ کے نہایت قابل و مستند شخصیت رکھنے والے انگلستان کے لارڈ چیف جسٹس نے استعفا دیدیا اور حکومت کی آواز پر شہریت پر عدم تعاون کا حامی تھا۔ کیا وہ عدم تعاونی ہونے کی صورت میں السرائی کی دعوت کو قبول کر سکتا تھا۔ (اس جگہ دعوت کے معنی طلب کے لئے گئے ہیں) اگر گاندھی دعوت کو قبول کرنے پر طیار ہوتا۔ تو السرائی کی دعوت دینے میں تامل نہ تھا۔ لارڈ ریڈنگ نے گاندھی کے سبب سے گہرے دوست ریو اینڈ سٹرائیڈ یوز اور پنڈت مالوی جی کو بلا

بھیجا۔ ان ہر دو دوستوں کو بہت خطرہ محسوس ہوا ہندوستان
 میں برطانیہ کی سلطنت کے دوران میں آجنگ کبھی ایسا موقعہ پیش
 نہیں آیا کہ واسٹس نے ملک کی فضا میں تحریک پیدا کر نیوالوں
 کے سردار و نکو اپنی طرف بلایا ہو۔ مسٹر اینڈریوز فوراً ہی ٹرین
 میں شملہ سے سوار ہو کر مسٹر گاندھی کے پاس الہ آباد پہنچا۔ اس وقت
 گاندھی ایک شادی میں مشغول تھا۔ گاندھی نے دعوت کو قبول
 کر لیا۔ عدم تعاونی خواہ اس دعوت کے قبول کر نیکیو کچھ خیال کریں
 جو ہونا تھا ہو گیا اور جہانما اذرا انگریزی مدبر کے درمیان کچھ گفتگو
 ہوئی۔ لارڈ ریڈنگ نے گاندھی سے بیان کیا کہ علی برادران نے تشدد
 پر تقویٰ میں کہیں اور اس نے اس کا ثبوت ہی پیش کیا۔ گاندھی نے پڑھا
 اور کچھ دیر تک بحث کرنے کے بعد تسلیم کر لیا۔ انگریز مدبر اور
 معاملہ شناس نے کہا۔ میں تمہاری اس عدم تشدد کی تحریک
 کو غلط فہمی خیال کرتا ہوں۔ میں آپ کی اس عدم تشدد کی تحریک میں
 رخنہ انداز ہو کر خود درجیدہ ہونا نہیں چاہتا۔ بشرطیکہ آپ اسے برابر
 جاری رکھیں مگر میں علی برادران کی تشدد کی تعلیم کے لئے ان کو
 گرفتار کرانے پر مجبور ہوں گا۔ اگر وہ اپنے ان سخت الفاظ کی باقاعدہ
 معافی نہ مانگیئے تو انہوں سے گورنمنٹ کے خلاف استعمال کئے
 ہیں۔ لارڈ ریڈنگ جہانما کی زرہ کمزور حصہ کو قبل سے ہی معلوم
 کر چکا تھا۔ جہانما گاندھی عدم تشدد کے لئے سودا بی ہو رہا تھا۔
 اور خود علی برادران کو چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اس بات کا منتظر تھا

لگروہ خود اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اس نے علی بردران کو صاف طور پر معافی مانگنے کے لئے کہا کہ جو انہوں نے چند ایک تقاضیہ تشدد کے بارہ میں عوام میں کہیں علی بردران اکھر گئے۔ اور بجائی ہندو جہاتما کی نصیحت کی مخالفت کرنے کے درمیان کشیدگی کو دور کرنے کی غرض سے رنجیدہ خاطر ہو کر انہوں نے ہاتھ کی بات کو منظور کر لیا۔

تحریک دن بدن بڑھتی گئی۔ ہندو مسلم اتحاد ایک مضحکہ انگیز سوانح اور نقل نہ تھی جیسا کہ مس مسیو کہتی ہے حقیقت میں ہندو مسلم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے تھے۔ ایک ہندو سنیاسی سوامی شردھانند کو جامع مسجد دہلی میں نیجا گیا۔ اور اس جگہ اس کا ایکچر ہوا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے جلوں در مسلمانوں نے ہندوؤں کے جلوں میں شمولیت کی مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں پر تلک لگا کر ہندوؤں نے مسلمانوں کے ہاتھ سے شربت امیر کیا۔ ہندوستان میں ان سردو اقوام میں کبھی ایسی باہمی اور یکجہتی نہ ہوئی تھی۔ اس کی تحریک دن بدن مستحکم ہوتی گئی۔ اس کا انحصار ملکی معاملات کے لئے عدم تعاون کے جھنڈے سے تھے۔ عدم تعاونیوں نے گورنمنٹ کو اس بات کا موقع دیا کہ ہنزایل ہائینس پرنسٹن ویلز (شہزادہ) ولیعہد م کے تشریف لانے پر بائیکاٹ کر دیا جاوے گا۔

مس مسیو کہتی ہے۔ ۱۹۲۱ء میں جب شہزادہ ولیعہد

ہندوستان تشریف لانا کا ارادہ کیا۔ اور جہاز پر سوار ہو گئے تو جہاز
گاندھی نے بوجہ اپنی سرحد عزیز کی ہندو دنیا کو مطلع کر کے چونکا دیا
کہ اس کا آنا ہمارے لئے ہتھکڑی اور ایک چکر ہے۔ اور اس نے سب
کو اس کے بائیکاٹ کے لئے واضح کر دیا۔

ملک کے کام کر رہے والوں نے تابعداری کے طور پر مشعل کو بجا کر اپنے
منتظم عملے میں دوڑنا شروع کر دیا۔ اپنے فرقہ کو ابھارا اور اس طرح
شہزادہ ولیعہد کا بمبئی کے ساحل پر اترنا فتنہ اور تباہی کا ایک
پیش خیمہ بن گیا۔ مذکورہ بالا تحریر سے جو کچھ لوگوں کے دلوں پر
نقش رہ جاتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ گاندھی اور اس کے عدم تعاونیوں کا
مقصد شہزادہ ولیعہد کی توہین تھا۔ اور بمبئی کے فتنہ اور فساد
اس امر کی شہادت ہے۔ مگر یہ اصلیت سے کوسوں دور ہے۔ ان
دو قوعات کے عوض سٹمپ گاندھی ہندوستان میں سب سے زیادہ
بہ نصیب شخص تھا۔ اور حقیقت میں ان دو قوعات کا سبب گاندھی
نہ تھا۔ ان معاملات میں اس کا سب سے بڑا ناصح سوامی پریدیتھ
پٹیل کے اور کوئی نہ تھا۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ کا شکریہ
جس کو گذشتہ گریموں میں ۱۹۲۷ء شہنشاہ کے حضور
میں اپنے کاغذ حاصل ہوا۔ اور جو ویسٹ منسٹر کے راجینسٹ
ایک شاندار جبر کے پارلیمنٹری ایسوسی ایشن میں شامل تھا۔ جو
ہنر ریل ہائینس ڈیوک آف پارک اس کی بیگم صاحبہ کے
جو اپنے ملک کی سیاحت سے بحیرہ عافیت مراجعت فرما رہے تھے

مقرر ہوا تھا۔ مس میو کہہ سکتی ہے کیا تو افراد کی طبیعت متغیر ہو گئی ہو گی۔ یا سٹریٹیل کی۔ مگر واقعات تو خوشنمانہ ظاہر ہوئے۔ مسٹر گاندھی کا مقصد بائیکاٹ سے اس مبارک ہستی کا بائیکاٹ نہ تھا جو کہ مس میو سمجھ رہی تھے۔ اُس وقت عدم تعاون کے حامی ایک بہت بڑے سوراچی جھگڑے کے درمیان تھے۔ اُس وقت گورنمنٹ کو مانند دوسری سرکاروں کے جھگڑوں کو مٹانے کا سبب دریافت کرنا چاہتے تھے۔ جب تحریک نے اپنی ہمدلعریزی اور طاقت کی وجہ سے سر سے گزرنا چاہا۔ تو لارڈ ریڈنگ برطانیہ کے عالی جماع والسر نے نے بازی کو جیتنا چاہا۔ اور اس وجہ سے اس نے پرنس آف ویلز کو آنے کی دعوت دی کیونکہ عدم تعاونی ہفتہ وار پیرچہ ٹنگ انڈیا (Punch India) میں شائع کر دیا۔ کہ ”یہ پیرچہ کیسا تھو تو ہیں، ہے کیونکہ ملک کے لوگ اس وقت تمام کے تمام گھرے ملکی معاملات میں پڑے ہوئے تھے۔ اور انکو معرض التوا میں ڈالنا مناسب نہ تھا۔ اور ان معاملات کا درمیان میں چھوڑنا گویا اس تحریک کو زخمی اور لوگوں کے اخلاق کو بگاڑنا تھا۔ اور اس کا لارڈ ریڈنگ سے اس وقت کا توہین کا باعث تھا۔ اس لئے جہاں گاندھی نے لوگوں سے اپیل کی کہ اپنے بھائی شہزادہ ویلز سے محبت آمیز برتاؤ رکھو۔ اور بائیکاٹ کرو۔ اگر والسر کے کا مقصد اس کے بلانے سے یہ ہو۔ کہ وہ آکھیاں تحریک کا خاتمہ کر دے۔ بائیکاٹ اس کے آنے پر نہ تھا۔ بلکہ والسر اس کے

کے اسم عمل کے لئے بائیکاٹ تھا جس کے لئے اس نے شہزادہ فیصلہ کو ایک آلہ کار کی حیثیت سے بلایا تھا کہ وہ آکر پولیٹیکل شہزادہ کی حیثیت سے ایک تحریک کا غامض کردے۔

فسادات جسے عمل میں نیکی وجہ خود گاندھی نہ تھا۔ بلکہ وہ گاندھی کے لئے تھے۔ اس نے دنیا کو بائیکاٹ کے لئے آمادہ کیا۔ اور خود نے ایک بہت لمبا روزہ بطور کفارہ کے رکھ لیا۔

لارڈ ریڈنگ کے قلب پر گاندھی کی اس دلیری اور بہادری کا بہت گہرا اثر ہوا۔ صلح کی شرائط پیش کیں اور راونڈ ٹیبل کانفرنس کا منعقد ہونا قرار پایا۔ مگر جہاں تانے اس سے انکار کر دیا اور اس امر کا اظہار کیا کہ خلافت کے قیدیوں کو بغیر کسی شرط کے (علی ہادی)

رہا کر دیا جاوے۔ جہاں تانے کانگریس والوں کی ملک میں ایک جماعت بنائی کہ وہ بائیکاٹ کے پروگرام کے ساتھ عدم تشدد کا بھی پرچار کرتے رہیں اس کے بعد آفیسروں کے میدان میں

آئیے عدم تعاون کی تحریک کمزور ہو گئی۔ اور آخر کار اس تحریک کے لیڈروں نے اس کو التوا میں ڈال دیا۔ اس تحریک کے ساکت ہوتے ہی جو کام اس کے لئے رکھے ہوئے تھے سب سرد

پڑ گئے۔ اس طرح ایک ہوشیار پروپیگنڈا اچھیلانے والے نے اپنی ہوشیاری سے ہندو مسلم احساسات کو نہایت کامیابی سے جیت لیا۔ فرقہ دارانہ تحریک نے ایک مرتبہ پھر ملکی تحریک پیدا کی جس کا مقصد صرف فرقہ وند تھا۔

مس میو کہتی ہے کہ وہ یہ جنگ کے بعد کے ہنگامے تھے۔ وہ
 دوران جنگ میں ہندوستان میں نہ تھی۔ لیکن اگر اس کا اشارہ
 اس جانب ہو کہ ہندوستان میں جنگ کے دنوں میں سرکاری
 طور پر ہنگامہ پھیل گیا تھا۔ تو یہ اس کی سمجھ کی غلطی ہے۔ دوران
 جنگ میں شہزادوں اور عوام سب نے سلطنت کی بہبودی کے
 لئے برابر کا حصہ لیا۔ ہر میدان میں ہندوستانی سپاہی جان تو
 کھڑتے رہے۔ ہندوستانی سپاہیوں کی فاداری کی بابت لاڈ
 ہاؤڈنگ سے پوچھئے جو فخریہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ ہندوستانی
 سپاہی فرانس کے میدان میں پیرس پر جرمن کی بڑھتی ہوئی
 روکو روکنے کے لئے سینہ سپر ہوئے۔ اس کی بابت امریکن
 کا خواہ کچھ ہی خیال ہو مگر حقیقت میں یہ امر ہندوستانیوں کے
 لئے باعث فخر ہے۔ جن کا تعلق آخر انگلستان سمیت امریکہ
 انگلستان نے ہندوستانی افواج کی بہت ہی قدر دانی کی۔ گو
 اب جنگ عظیم کی یاد بہت سے اصحاب کے لئے طاق نسیان کی
 مثال ہو گئی۔ مگر عظیم الشان انگریز ہستیاں اب بھی ہندوستان
 کی بہادری کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں
 مسٹر لائڈ جارج کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا۔ اور میں ہندوستان
 کے مستقبل کی بابت اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ دلیز کی عظیم الشان
 ہستی نے جس کی جنگی خدمات تاریخ میں زرین الفاظ میں محفوظ ہو گئی
 اور جس کا نام آئندہ نسلیں نہایت محبت بھری الفاظ میں لیا کریں گی

نہایت تشکر آمیز الفاظ میں ہندوستان کی اہم ذمہ داری کو عمدہ طریقہ پر نبھانے کا اعتراف کیا۔

تلک جہاز ارج جس کو سر ویلیز ٹاؤن چیرل نے ”ہندوستان کی بے چینی کا سبب“ قرار دیا۔ پہلا شخص تھا جس نے ملکی معاملات کو خیر باد کہہ کر ہرتی کرنے کا کام شروع کیا۔ گاندھی نے گجرات میں سپاہیوں کے ہرتی کرنے کا میدان گرم کیا۔ جہاز ارجہ نابھ نے جنگ کی خبر پڑھتے ہی دالسرے کو فوراً تار دے دیا کہ میری ریاست کے آدمی اور زرگو یا سب کچھ جو درکار ہو سرکار کی امداد کے لئے حاضر ہے۔ اور اگر کچھ ہر دو عمال کے درمیان کشیدگی ہے۔ تو وہ صاف معلوم ہی۔ مگر ہر امپیریل میجسٹریٹ شہنشاہ جارج پچھم اور رائل ہاؤس آف ونڈسر کے لئے کان سے لیکر ایک شہزادہ تک سب کے سب وفاداری کا دم بہرتے ہیں۔ اسی طرح والے ریاست نابھہ اور رائل ہاؤس آف ونڈسر کے درمیان دوستی محبت کی ایک سنہری زنجیر کے ذریعہ وابستہ ہو گئی۔ اور اس نے اپنی رعایا ہونیکا اعلیٰ ثبوت پیش کیا۔ اور اسی طرح ایک کان سے لیکر شہزادہ تک دوران جنگ میں ہر ایک نے اپنے آپ کو وفادار ثابت کیا۔ اور اس طرح ہندوستان نے انگلستان کی آفت کو اپنے سر پر بھینسا اور برداشت کیا۔ مگر مس میو کی کتاب کے پڑھنے والے کو بھی معلوم ہو گا کہ ہندوستان کی آفت کو انگلستان نے اپنے سر پر لیا۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے

اور اس یمانداری اور وفا شعار ی کے ذریعہ سے ہندوستان نے اپنے تمام حقوق نہایت عمدگی سے سرانجام دے جو ایک رعایا پر واجب تھے۔

تیرہواں باب

اصلاحات

مس میو کہتی ہے کہ اصلاحات کے قضا و حکم کی فراوانی درجہ اور سرپرستی برطانیہ کے ہاتھوں سے بہت کچھ ہندوستانی ہاتھوں میں آ چکی ہے۔

اب ہمیں ایک غیر جانب دار کی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے۔ کہ اصلاحات و ترمیم کی وجہ سے کس قدر طاقت ہندوستانیوں کے پاس ہو گئی ہے۔ ہندوستان کی گورنمنٹ مائند سابق برطانوی مشیرانِ مملکت اور ہندوستان کے سیکریٹری آف سٹیٹ کی ذمہ داری پر ہے۔ اور انکی (برطانوی مشیرانِ مملکت اور سیکریٹری آف سٹیٹ) ذمہ داری برٹش پارلیمنٹ ہے۔ اور برٹش پارلیمنٹ کے ذمہ داری برطانوی افراد ہیں۔ جو ہندوستان کے معاملات میں کم و بیش حصہ لیتے ہیں۔ جس کی شہادت جنرل لیکشن ہے کہ جس میں ہر فریق ہندوستان کا سوال اٹھانے پر پیش کرتا تھا

ہندوستان کی اصلاحات کے متعلق برطانوی منتخب کنندگان مفہوم
 ہیں۔ جن کی ذمہ دار ہندوستانی گورنمنٹ ہے۔ ہندوستانی
 افراد اپنی اصلاحات کے خود ذمہ دار نہیں۔ ہندوستان کی
 پارلیمنٹ کا دستور ملاحظہ ہو کہ جس کا بے دستور ہونا
 حاصل شاعتوں میں کل چکا ہے۔ اور جو ہندوستان کی مجلس
 و اضلاع قانون کہلاتی ہے۔ خواہ کتنی مخالفت ہو
 صاحب طاقت باوجود مخالفتوں اور کثرت رائے کے پھر
 بھی ہندوستان کی پارلیمنٹ کے جمہورین ہی جاتے ہیں۔
 انہیں عام انتخاب کا خوف نہیں۔ انکی پشت پناہی کر نیوالے
 بہت بڑی شخصیت رکھتے ہیں۔ جب کبھی پارلیمنٹ کو کسی
 قانون کی منسوخی۔ تردید یا مخالفت کا قانون پاس کر نیکا اتفاق ہوتا
 ہوتا ہے تو یہ وائسرائے کی ردی کی ٹوکری میں لاپرواہی سے
 پھینک دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وائسرائے کو تصدیق کرنیکی طاقت
 ہے۔ جیسا کہ شاہ انگلستان کو حاکمانہ نامندظوری کا استحقاق
 حاصل ہے۔ پادشاہ اپنا پیلدیشی اور جائز حق دار ہونے کے باوجود
 پھر اس قسم کے حقوق اور انصاف کو کام میں نہیں لاتا۔ مگر
 وائسرائے اس کی بہت بڑی طرح مشتق کرتا ہے۔ اور حقوق
 کو پامیال۔ اس کی ذمہ داری پر نصف دنیا کے قریب میں الگ
 کر دی گئی کہ وہ اس کے حقوق کا محافظ رہے۔ اب مقام غور ہے
 کہ ہندوستانیوں کے پاس طاقت کہاں رہی جبکہ وہ بالکل

بے بال سپر کر دئے گئے۔ دوسروں کو بتایا جاتا ہے کہ ہندوستانوں
 کے پاس اپنی اصلاح کے لئے طاقت موجود ہے۔ وہ کہتی ہے کہ
 اگر ہندوستان کی پارلیمنٹ ایک دھوکا ہے تو کیا وہ طاقت
 اور حکم جو پرنسٹن (صوبہ کی پارلیمنٹ) پارلیمنٹ کو دیا گیا ہے۔ وہ
 قابل غور نہیں۔ ہر ثبوت جو میڈی میں کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا
 کیا وہ بے اختیاری اور عدم طاقت کا کافی سے زیادہ ثبوت نہیں
 میڈیٹیشن میں سر الیگزینڈر میڈلین گورنمنٹ ہند کے ہوم ممبر تھے
 اور اس وجہ سے اس کمیشن کا نام میڈلین کمیٹی رکھا گیا۔ شکایت یہ تھی
 کہ ان کے حکموں میں روپے کی بہت قلت ہے۔ اور روپیہ خزانہ
 میں ہوتا ہے۔ جس پر سرکار پوری طرح سے قابض ہے۔ صوبجات
 میں بھی جس کی لاشی اس کی بھینس ڈالی مثال ہے۔ جو صاحب طاقت
 وجاہت ہی ہر طرف اس کا ہی تقرر ہے۔ اور سیکو اس کی طرف
 آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ اس کے دو
 یاتین گانٹھ کے پورے اور عقل کے اندھے وزیر ہوتے ہیں جن
 کا خزانہ پر کچھ زور نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ اختیار ہے وہ سب ان سے
 بڑے کا ہے یہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے اور نہ ان کی
 سنی ہی جاتی ہے۔ حکم جات جن کا پہلک سے کچھ تعلق
 ہے وہ صرف محکمہ قانون پولیس اور انصاف ہے۔ اور اگر بنظر
 انصاف دیکھا جائے تو صوبجات کے مراکز میں بھی حکومت اور
 اختیار نہیں ہے۔

اب ہمیں ان درجات کا ملاحظہ کرنا چاہئے۔ جو بقول مس میوندویو
 کو اصلاحات کے متعلق مل چکے ہیں۔ وہ شاید ہندوستان کو ایمپائر
 کا نفرنس کے تقرر سے منسوب کرتی ہے لیکن اس کے تقرر کا اظہار
 کس طرح ہوتا ہے۔ اس کا اظہار صرف گورنمنٹ ہی کرتی ہے
 لوگ اس سے بالکل بری ہیں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اگر ہندوستانی
 یہ کہیں کہ ایمپائر کا نفرنس میں ہندوستان کے لئے کوئی جگہ
 نہیں۔ یہ بہت بہتر ہوتا اگر ہندوستان کی لیجلیٹو اسمبلی کے ذریعہ
 ایمپائر کا نفرنس کے لئے رائیں حاصل کر لی جائیں۔ اور یہ ضروری
 نہ بھی ہوتا۔ اگر ہندوستانی پارلیمنٹ لوگوں کی ذمہ دار ہوتی۔
 جیسا کہ مجلس اضعان قانون میں لیڈر ہوتے ہیں۔ اور جیسا کہ
 دیگر ممالک میں ایک بڑے گروہ اور جماعت کی طرف سے وہاں
 کے لیڈر مجلس میں ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی اثنا میں ہندوستان
 کا ایمپائر کا نفرنس میں درجہ اور مقام دکھانے کے لئے یہ بہت
 بہتر ہوتا کہ اگر مرکزی مجلس اپنے ممبر خود منتخب کر لیتی۔ مجلس
 لوگوں کی نہیں بلکہ گورنمنٹ کی ملکیت ہے۔ اس لئے اس کے
 ماننے میں کوئی ہرج نہیں۔ اگر وہ خود اپنے ممبر منتخب کر لے
 مگر گورنمنٹ کو اس قسم کی امید اصلاحات سے ہرگز نہ رکھنی چاہیے
 سرپرستی اور امداد کو نہی ہے جس کی بابت مس میوندو
 پکار کرتی ہے۔ کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ آچکی ہے سرپرستی
 اور امداد کے دیگر ذریعوں میں سے ایک اس قانونی کمیشن کا تقرر

بھی تھے جو قریباً ۱۹۲۹ء میں ہندوستان کی حالت کا اندازہ کرنے
 کے لئے مقرر کیا جاوے گا۔ اس لئے آیا کہ ہندوستان سوراج
 کے قابل ہے یا نہیں۔ سو ہندوستانی اس قسم کی سرپرستی
 کے خواہشمند نہیں اور نہ انہیں ضرورت ہے۔ ہندوستانی
 جو کچھ چاہتے ہیں وہ یہ نہیں کہ مقررہ اوقات پر ان کی حالت کا
 ملاحظہ کیا جاوے۔ بلکہ وہ فیصلہ کے خواہشمند ہیں۔ جیسا کہ
 کرنل ویسکو وڈ نے دیوان عام میں نہایت صاف الفاظ میں
 کہا تھا کہ ہندوستان میں باقاعدہ کمیشن بھیجنے کی بجائے ائر لینڈ
 کی طرح ان سے معاہدہ کر لیا جاوے۔ مگر ایسے کمیشنوں سے
 مس میو کی بتائی ہوئی جماعتوں میں اضطراب پھیلتا ہے۔ مس میو
 برطانوی ہند کے دو تہائی حصہ کی بڑھتی ہوئی حماقت کے
 برخلاف سب کو آگاہ کرتی ہے کہ اس کا سد باب ہونا چاہیے
 ورنہ اس حماقت کا ایک تہائی حصہ جو ریاستوں کے حصہ میں
 آتا ہے اثر بہت جلد پھیل جائیگا۔ ان باتوں کے ساتھ مس میو کو
 یہ بھی آگاہ کرنا چاہیے کہ ہندوستان کے وفادار شہزادے
 قومی تحریک کے برخلاف چل رہے ہیں۔ اگر شہزادے ایسا
 کرتے اور قومی تحریک کے مخالف ہوتے تو اس صورت میں انگریز
 خاموش نہ رہتی۔ ہندوستان کی قومی کانگریس یہ تجویز
 منظور کر رہی ہے۔ ہندوستانی ریاستوں کے معاملات
 میں کچھ دخل نہ دو۔ مگر مس میو اس پالیسی کو اختیار کر رہی ہے

کہ ہندوستانی ریاستوں کو پشت و پناہ بنا کر قومی تحریک کے برخلاف
کیا جاوے۔ مگر وہ اصحاب جن کے دلوں میں حب الوطنی گھر کر چکی
ہے۔ اس مبارک تحریک میں حصہ لینے سے کبھی باز نہیں رہ سکتے۔

اختیار درجہ و طاقت اور سرپرستی کا ملاحظہ کر لینے کے بعد
جس کی سس موصوف بہت کچھ تعریف کرتی ہے۔ اب ہم اُس کی
اُس تحریر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس نے مجلس اضعاف قانون
کے متعلق لکھی ہے۔ وہ کہتی ہے

اس وقت جو تجویز پیش ہو رہی ہے وہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں
رکھتی۔ اور وہ تجویز تک ہی محدود ہے۔ جذبات کی کشمکش سے
تجویز تو ہو گئی مگر عملی صورت میں وہ کچھ کارآمد نہیں ہو سکتی ہندوستان
کی پارلیمنٹ کی مثال نندان چوکنے کو جنکو کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک گہری
بجائے۔ اب ان میں سے ہر ایک دوسرے سے چھینتا اور لڑتا جھگڑتا
ہے۔ کوئی اس کو کھول کا اس کا سپرنگ اور انکی کمانیاں اور پندے
الگ الگ کر دیتا ہے۔ غرضیکہ آپس کی کشمکش میں وہ گہری خراب
نہ انکو اس کی قیمت کی خبر اور نہ اس کے وقت دیکھنے سے تعلق جب
انکا استاد اس گہری کی تشریح کر کے انکو سمجھانا چاہتا ہے تو
وہ نہایت بے چینی اور بے صبری سے بجائے سمجھنے کے اپنے کپڑے
کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں۔ کبھی جھپٹتے ہیں اور کبھی محو ملے
طور پر قسم قسم کے منہ بناتے ہیں۔

راؤ اور خیال میں فرق ہے لیٹو اسمبلی (مجلس اضعاف قانون)

کے ممبران کو مخاطب کرتے ہوئے برٹش پارلیمنٹ کے ایک ممبر
مسٹر اسوالڈ ماسے نے کہا کہ میں نے مرکزی قانون ساز مجلس کی
جدوجہد میں گرفتار ہو۔ اس کے جواب میں مخالف پارٹی کے
لیڈر پنڈت موٹی لال پنرو نے کہا - صدیوں غیر ملکی حکومت کی
وجہ سے ہم ہندوستانیوں سے جو کچھ سنگدلی اور وحشت
بھی سب جاتی رہی - ہم میں سے وہ احساس جو ایک آزاد ملک کے
ہونے چاہئے تھے وہ سب کے سب نائل ہو چکے -

مسٹر ایڈ آوس ہکسلے جن کی نگاہ مائند دوسروں کے ملکی معاملات
اور تعصب کیوجہ خراب نہیں ہوئی بلکہ مجلس کے اندرونی اور خفیہ حالات
سے خوب واقف ہے - وہ مجلس جو سال میں دو مرتبہ دہلی اور
شملہ میں منعقد ہوتی ہے - آپس کی گلکاریوں سے اچھی طرح
واقف ہیں - کہتے ہیں -

ووٹ لیو اسمبلی بہت ریزولیوشن پاس کرتی ہے - مگر گورنمنٹ
سو میں سے ایک پر عمل پیرا ہوتی ہے - ہندوستانی اپنی پارلیمنٹ
کی بابت بہت زیادہ گرفتار محوش واقعہ نہیں ہوئے - اور یہ ایک
ایسی بات ہے جو قابل تعجب نہیں - میرے خیال میں ہندوستانی مذہب
اس کو مفید خیال کرتے ہیں - کیونکہ وہ باہر کی نسبت اسمبلی میں بہت
اچھی طرح مکمل کر بول سکتے ہیں انکی تقاریر بعض شایع بھی ہو جاتی ہیں
اور یہ شہر کر نیکا ایک اچھا ذریعہ ہے مگر غیر مفید - اور ممبران سے
بے خبر بھی نہیں - مجلس کے اصحاب میں سے بعض ایسے بہر ہو ہیں

جو اپنی لیاقت علی کو چھپانا جانتے ہی نہیں۔ بلکہ بلا سوچے سمجھے اس سے کام لیکر اپنی کم مائیگی کا اظہار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مقصد سب پر اپنی لیاقت کا سکہ جمانا ہوتا ہے۔

اُس اسمبلی اجلاس کے ایک ممبر ہونیکی حیثیت سے میں چپ نہیں رہ سکتا۔ یقیناً مسٹر کیلے کے بیان میں صداقت کی جھلک موجود ہے۔ اور خصوصاً جبکہ وہ یہ بیان کرتے ہیں "یہ مشہر کرنیکا بہت بچھاؤ دہیہ ہے" انکی تقاریر میں سے اکثر پریس میں شایع بھی ہو جاتی ہیں۔ ایک عملی کام نہ کر نیوالے کے لئے سوائے مجلس کے حق حاصل کرنے کے اور کوئی مطلب نہیں۔ اور اگر ایسے غصہ و روتلوں اور آدھی ایسی باتیں اسمبلی کے باہر کریں تو یقیناً حوالات کے سپرد کر دئے جادیں۔ ایسے شخصوں میں سے اکثر گوجیل کی زندگی یاد ہے۔ مخالف پارٹی کے لیڈرینڈت موتی لال نہرو بھی زندان کی ہوا کھائے ہوئے ہیں۔ مگر انکا طرز کلام نہایت شیریں ہے۔ انکے اکثر پیرو بھی انکی خوش خلقی اور شیریں کلامی کی تقلید کرتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو مجلس کے حقوق پر بجا حق تعریف کے اس کو خوش اور نازیا الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ مس میو کہتی ہے "قوانین کے وضع کرنے کی سب آسان تجویز جو گورنمنٹ نے پیش کی اور سورا جیہ پارٹی کے داعظوں نے اس کو لبیک کہنا چاہا حقیقت میں وہ اور اس کی تشہیر کا مقصد بالکل خراب اور نادرست ہے۔ اور ان سے کسی خوشگوار نتیجہ کی امید رکھنا بالکل فضول ہے۔ کیونکہ وہ نتیجہ کے عوض میں لیا کہیں گے

کہ ہم کو آپ پر اعتبار نہیں۔ ہمیں آپ کی کسی مفید تجویز سے اتفاق نہیں۔
 میں ایک لمحہ کے لئے بھی انکار نہیں کرتا کہ اسمبلی میں زبردست تقاریر ہوتی
 ہیں۔ مگر دیوان عام سے زیادہ زبردست نہیں ہوتیں۔ پریزیڈنٹ پشین جو دیوان عام
 کی کارروائی کا نمائندہ کرنے کے لئے گئے۔ انہوں نے اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے
 کہ ہندوستان کی پارلیمنٹ مرتبہ اور لیاقت میں بڑی پارلیمنٹ سے بالکل کچھ
 حاصل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ بہت سی ناقابل باتیں پارلیمنٹ میں بیان ہو جاتی ہیں
 جو اس کے قابل نہ تھیں۔ اور بہت سی خراب باتیں اس کے لئے بہت اچھی
 خیال کی جاتی ہیں۔ اچھی باتوں کی عدم موجودگی نے مسٹر ماسے کو اسمبلی
 میں مجبور کیا۔ اس لئے انہوں نے تمام مشرفا ممبروں کے سامنے اعتراف کیا
 اور یہ حقیقت میں پندتوں اور لیڈروں کی کم مائیگی ہے جس پر کہ انہیں بجا
 طور پر ناز ہے۔ پندت مدن موہن مالوی جو کہ ایک منکر لٹریچر اور لیاقت کا
 مجتہد ہیں اس جٹلین کو جس سے یہ الفاظ کہے تھے کہ ہم مطعون گورنمنٹ
 پر یقین نہیں رکھتے "محرم گردانا اور انہیں الفاظ کو جس میں پکڑتی ہے۔ اور
 اسی بات سے وہ ڈرتے تھے۔ کہ اس نہ ہو اور دوسری قویں یہ کہیں کہ
 ہندوستانیوں میں سے سنجیدگی کا مادہ بالکل ضائع ہو چکا ہے بلکہ
 وہی ہو جس سے ڈرتے تھے۔ مگر ایسے معزز اصحاب کو مغرب میں اس وقت
 پارلیمنٹ کی جاضرعی دینی چاہئے جبکہ وہ عدالت کی سپردگی میں ہوں کیونکہ
 ایسے حضرات مرتبہ اور لیاقت کی زیادتی سے منسوب ہو جاتے ہیں۔
 اور یہ علاج انکے حق میں مفید ہے۔ میری رائے ہے کہ خراب تحریرات
 اور نامناسب کارروائیاں مغربی مجلس قانون سازان کی نامناسب

کارروائیوں کے ساتھ مقابلہ کر کے اگر خراب ہوں تو ضایع کر دی جایا کریں
 مس سید کہتی ہے کہ دبدن اور لمحہ بہ لمحہ سوراجیہ پارٹی اپنی تمام
 گرجوشیاں مخالفوں کی صف آرائی کو توڑنے میں صرف کر رہی ہے
 مگر یہ بہتان درست نہیں۔ اگر بضر محال یہ درست بھی ہو تو کیا سولج
 کے حامیوں کو مخالفت کے سد باب کا حق نہیں؟ کیا پارٹیل کو ان مخالفوں
 میں سے گزرنا نہیں پڑا؟ حقیقت یہ ہے کہ سوراج کے حامیوں اور لیڈروں
 کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے نقاب
 کشائی کی ضرورت ہے کہ سولج پارٹی کو کن مشکلات اور راستوں
 سے گزرنا پڑا۔

عدم تعاون کی تحریک کے التوا کے ساتھ ہی پرانے نیشنلسٹوں نے
 اپنے دماغوں کو کونسل میں جا کر مخالفت کرنے پر آمادہ کیا۔ یہ ارادہ
 مرحوم سی آر۔ دائس ننگال کے لیڈر اعظم کا تھا۔ مگر ایک خاص سیشن نے
 کلکتہ کی کانگریس میں اس پر عمل پیرا ہونے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ
 انہیں اس سے بھی سخت طریقہ کی ضرورت تھی۔ اور اس جگہ کثرت رائے
 سے یہ پاس ہوا کہ عدم تعاون کے سب سے بڑے حامی جہانگاہی
 کے میدان کو گرم کیا جاویں۔ اس سوال کو اٹھائیواں مسٹر دائس
 جس کو ہندوستان محافظ وطن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جب عدم تعاون
 کی تحریک میں بالکل حرکت نہ رہی اور ساکت ہو گئی تو مسٹر دائس
 محافظ وطن اپنے پرانے مخالفت کے خیال کو مجلس قانون سازان
 میں پیش کرنے لگا۔ اور از سر نو اس خیال کو زندہ کیا۔ کیونکہ اس کا

کانگریس کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ کانگریس مدت سے عدم تعاون
 کے پروگرام میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کر سکی تھی۔ آخر اس نے ایک
 جماعت بنائی جس کا نام سوراجیہ پارٹی رکھا گیا۔ سٹرسی۔ آر۔ داس
 کی وفات کے بعد سوراجیہ پارٹی پنڈت موٹی لال نہرو کی لیڈری
 میں تعاون کی مخالفت کے لئے غیر محسوس طور پر بیٹھ گئی۔ مخالفت
 کی تحریک پیش بندھونے بنگال میں اچھی طرح پھیلا دی۔ اور اس
 کی وفات کے بعد ایک عملی پالیسی کی صورت میں بالکل التوا میں
 پرگئی۔ ۱۹۲۶-۲۷ء کی سر دیوں کی مجلس میں سوراج پارٹی والے شامل
 نہیں ہوئے۔ اور مانند گذشتہ سال کے اس سال ہی مالگڈاری کا
 بل بنانے سے انکار کر دیا۔ پارٹی کا سوال یہ تھا۔ کہ بغیر ضرورت
 کے ٹیکس نہ لگایا جاوے۔ گذشتہ سال جب پارٹی نے بل منظور
 کرنے سے انکار کیا۔ تو اس وقت بھی ویسی یعنی پارٹی کا لیڈر ہی اس کا
 ذمہ دار تھا۔ سوراج پارٹی فیصلہ کی تحریک کے وقت بالکل غیر جانب
 داری اور یہ سوراج پارٹی کا لیڈر مجلس سے بغیر حاضر رہا۔ غیر ذمہ دار
 تشدد کے حامی لالہ لاجپت رائے جنہیں شیر پنجاب کے نام سے پکارا
 جاتا ہے اور پنڈت بدن مومن مالوی جو مجتہدین کی سے یاد کئے جاتے
 ہیں انہوں نے اور ان کے خدام نے ہی ووٹ دئے۔ مگر سوراج کے عقلمند
 لیڈروں نے بالکل اس میں حصہ نہیں لیا۔ میرے خیال میں یہ سوراجیہ
 پارٹی کی مخالفت نہیں۔ بلکہ یہ تو ان کی طرف سے صاف عدم تعاون
 کی دلیل ہے۔ مس میو وفادار سوراجیہ سیکشن سے بہت بے انصافی

جن کا خیر مقدم اعتدال پسند جماعت کے لیڈر مسٹریسی - وائی جیٹامنی
 جولیو - پی گورمنٹ کے ایکس منسٹر اور ہندوستان کے ایک قابل
 آدمی ہیں۔ اور دادا بھائی ناؤ گوری کے گرم جوش پیرو جو سب سے
 پہلے پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔

مس میو کہتی تھیں وہ آخر کچھ نہ کچھ پارٹی کی طرف سے بات
 ضرور نکلی ہے۔ مگر سوراج پارٹی کی جو خواہش تھی وہ یہ تھی کہ فیصلہ
 ہو جائے۔ کیونکہ وہ بیراہ راست سوراج اور حکومت کے طالب نہ
 تھے۔ بلکہ سوراج پارٹی کے لیڈر تو صرف اس طرف ایک قدم اٹھانے
 کے خواہشمند تھے۔ اور صرف اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔

تمام قیاسی ناممکنات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سوراج پارٹی
 نے حرکت کی تاکہ اپنے اندر اسمبلی کی پارٹیوں کے لئے مفید ہو سکے
 اور خود اختیاری انتظام کے لئے ریزلیوشن پاس کر نیکا اعلان کیا۔
 تاکہ اصلاحات کے لئے فوری تجویز ہو سکے۔

یہ بات ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء کی تھی جبکہ اصلاحات کی تحقیقات کے لئے
 ایک کمیٹی کا مجلس میں سے مقرر کیا جانا ضروری خیال کیا گیا اور ہندوستان
 کی قومی اصلاحات کے لئے تمام فرقوں کے جمروں کی رائے کا خیال
 رکھتے ہوئے کمیٹی کا تقرر منظور ہوا۔ اصلاحات کی سیریکب کے دوران
 پنڈت موٹی لال ہنرو نے اپنا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا

”ہم مرکز ہی قانون ساز مجلس میں ذمہ دار گورنمنٹ کے خواہشمند
 ہیں۔ ہم کارکن اور حکمران کو مجلس کا ذمہ دار ہو جاتے ہیں۔ سوائے

چند تفصیلوں کے جنکی تشریح کرتا ہوں۔ یعنی فوجی خدمات کے خرچ
 کی رقم ایک مقررہ ہو نی چاہئے۔ اور ملکی اور غیر ملکی اخراجات الگ۔ اور
 صوبہ کے اندر ہم خود اختیاری انتظام چاہتے ہیں۔ اور سرداری کا خاتمہ
 ایک مقررہ وقت کے بعد ہم اپنا حق اپنی اصلیت کو قائم رکھنے کے لئے
 باحتیاط قائم رکھینگے جس کے دوران میں ہم کو جب لٹرک اختیارات کو
 خیر باد کہنا ہوگا۔ پارلیمنٹ میں اپنے اصولوں کے اظہار کے بعد دوسرا
 کام جو ہمیں کرنا ہوگا وہ یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور مقرر کر لیا جاوے
 بموجب ہمارے اقرار کے کوئی مجلس یا گول میز کانفرنس یا اور کوئی
 دیسند ذریعہ خواہ اس کا کچھ ہی نام مقرر کیا جاوے۔ مگر وہ مختار کل ہو
 اور ہندوستانی یورپین اور اینگلو انڈین اصحاب سب کے لئے برابر
 کی مختار ہو۔ اور سب کے لئے فائدہ مند۔ اور وہ ذریعہ تمام اقوام کے
 حسب حالات کمی و بیشی کی تجاویز پیش کرے۔ جب تجویز بن گئی
 تو اس کو پارلیمنٹ کے پیش کر دیا جاوے۔ بنیادی اصول جن پر کہ
 ہندوستان کے ضوابط کا انحصار ہوگا۔ وہ اپنا بنایا ہوا اصول ہوگا
 تمام جماعتیں اپنے مطالبہ کے لئے متفق ہو گئیں کہ صوبجات کی ذمہ دار
 گورنمنٹ کے سامنے خود اختیاری کے اصول کو پیش کیا جاوے
 اور انہیں ذمہ داری کا دائرہ مرکزی گورنمنٹ تک وسیع کر دینا چاہئے
 مگر سب کے سب اس میں دخل نہ دیں۔ اور وہ آگے گورنمنٹ کی مختلف
 خواہشات کے مطابق فوجی اور بحری انتظام بیرونی معاملات ہندوستانی
 ریاستوں کے انتظامات گورنمنٹ کے اختیار میں کر دے۔ تشدد پسند

حضرات نے دیکھا کہ سوراج پارٹی اپنے مقصد میں کامیاب نظر آرہی ہے
 حقوق آزادی کے خواہشمند چاہتے تھے کہ پوری آزادی میں چھوڑا جاوے
 پنڈت مونی لال ہنرو نے تشدد پسند حضرات کی بدگمانی کو اور
 بڑھا دیا۔ وہ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ ادرا اس کی پارٹی پرانے
 عدالت پسند و نکی طرح کانگریس سے علیحدہ نہ ہو جائے اور گورنمنٹ
 سے مل کر اصلاحات کا کام نہ شروع کر دے اور اگر گورنمنٹ نے صلح
 کی شرط کو منظور کر لیا تو اس طرح گورنمنٹ کے رتبہ میں فرق آجائیگا۔ اور
 اگر پنڈت صاحب موصوف نے ان کی بدگمانی کو بڑھا دیا۔ تو یہ اس نے
 بہت غور سے کیا اور کھلی آنکھوں سے کیا۔ پنڈت صاحب مشرق کی
 روحانی منطق کے قائل نہیں۔ اور نہ مغربی سوشلزم کو مانتے ہیں۔ ان
 پر دنیا سے عام عقل بہت زیادہ ہے۔ اور دماغ ایسا کہ جسمیں علی تدا بیر
 سماسکیں۔ جہانک جو اس اور عقل کا تعلق ہے۔ وہ انگلستان کے درمیانہ
 طبقہ کے حقوق رعایا کے پاسداروں اور مزدور پارٹی کے محافظوں سے
 زیادہ عقلمند ہیں۔

مس میو یہ کہتی ہے کہ ہندوستان جمہوری سلطنت کے قابل
 نہیں۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وہ مطلق انسانی اور خود اختیاری سے شہری روح اور طبیعت نہیں
 پیدا ہو سکتی۔ برطانیہ کے ہندوستان پر قابض ہونے سے قبل ہندوستان
 میں کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہ تھا۔ سوائے ظلم اور خود مختاری کے۔ انگریزوں
 نے ہندوستان میں اگر اپنی عملی قابلیت کی مدد سے آہستہ آہستہ وہ

قاعدے اور دستور بنائے کہ جس سے ہندوستان پہلے نابلد تھا۔ انگریزوں نے ایک درمیانہ جماعت تیار کی۔ وہ درمیانہ جماعت جو آجکل وکیلوں اور پیشہ وروں کی صورت میں سرداری اور حکومت کر رہی ہے۔ مانند اپنے ان آباؤ اجداد کے ہے جنہوں سے آج سے پانچ ہزار قبل ذات پات اور تماشخ پر کار بند ہو کر بڑائی حاصل کی تھی اور یہ سراسر جمہوریت کا انکار ہے۔ یہ کیا جمہوریت کے قابل ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی ہے؟ کیا جمہور ہی دنیا میں سب سے بہتر شے ہے؟ آؤ دیکھیں کہ مسٹر آڈس ہلسے کیا فرماتے ہیں۔

”نہ ظاہر داری اور نہ جمہوریت اس لئے خوشامد اور ظاہر داری ہی کو رہنے دیں۔ البتہ الجہن اس بات کی ہے کہ جمہوریت اچھی شے ہے۔ اور جس کے لئے قیاسی طور پر سرگرمی سے خواہش ظاہر کی جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی جمہوریت مرغوب شے ہے؟ یورپین اقوام غالباً اس جانب رجعت کم دیتی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اپنا ذاتی فیصلہ اور رائے آجکل اتنی وقعت نہیں رکھتی جس قدر کہ اس سے قبل تھی بہت سی ایسی سلطنتوں میں ایک آشریا کی سلطنت بھی شامل ہے۔ جہانگ مپیس برگ کے سالہا سال تک کے مظالم بہت اچھی طرح یاد کئے جاتے ہیں۔ اور پرانی سرشت کی حکومت کو بہت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آخر جمہوریت کیا ہے؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ سوائے سوئٹزر لینڈ کے اور یہی کسی جگہ گورنمنٹ کا انحصار لوگوں پر ہے؟ یقیناً انگریزی پارلیمنٹ کے طریقہ کو لوگ گورنمنٹ نہیں کہہ سکتے۔ یہ لوگوں کے واسطے چند امرا کی ہاتھ میں لی ہوئی سلطنت

ہے۔ جہاں لوگوں کی بات بہت کم مانی جاتی ہے کیا میں اس سے کوئی اور شے مراد لوں۔ جبکہ میں یہ کہوں کہ جمہوریت اچھی شے ہے؟ کیا میں معقول رائے کا اظہار کر رہا ہوں؟ اور یا میں اپنی عادت سے مجبور ہو کر بے معنی قاعدہ کو دہرا رہا ہوں۔ اس لئے کہ یہ قاعدہ میری خورد سالی میں میرے کانوں میں بہر دیا گیا ہے۔ کیا میں حیران نہ ہوں؟ اور میں اس قدر زیادہ ہنگاموں کی وجہ سے حیران ہی ہو سکتا ہوں کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی اوستھی قوم میں جو بوجہ اپنے اقتدار اور خود مختاری کے یکتا تھی پیدا ہوا۔ خواہ میں ہندوستان میں پیدا ہوا یا انگلستان کے اسفل طبقہ میں۔ مگر اس قسم کی فطرت کی نہ کو میں مشکل پہنچ سکتا ہوں اسبلی میں پارٹیوں نے جمہوریت کے مقدس پودے کو امریکہ سے ہندوستان میں لانے کے سوال کو بالکل نہیں اٹھایا۔ جہاں کہ اکثر مس میو کو طعنہ زنی کے اوقات مل جاتے ہیں جمہوریت کی باتیں کرنے میں کامل اور ہوشیار مگر اس کے بالکل نا اہل اور جاہل ہیں۔ اور انکا مقصد بھی یہی ہے مگر انہوں نے وہ کہا جو انکا مقصد تھا۔ اور جو انکا ارادہ تھا یہی انہوں نے بیان کیا۔

سوراجٹ اور اس کی پارٹی کے لیڈر بازار میں اپنے آپ کی خرید و فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ یاد دیگر الفاظ میں انکی اپنی ذاتی قیمت اور قدر کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک پیالہ شوربہ کے عوض میں اپنا آپ فروخت کرنا نہیں چاہتے۔ جس کا جواب انہیں موجودہ اصلاحات کو قبول نہ کرنے کے عوض میں ملتا ہے۔ انکی قیمت فعل ناقص ملکی اور قومی ہے۔ اگر برٹش

گورنمنٹ انکی قیمت ادا کرنے پر رضامند تھے تو اس صورت میں موجودہ ملکی
مدبران اور عدم تعاون کے غالب عنصر کو بہ آسانی اپنے قبضہ میں لاسکتی ہی
اگر اس پر بھی وہاٹ ہال اس کا معاوضہ ادا نہیں کرتا ہے۔ تو اس صورت
میں ہندوستانی نیشنل ڈسپنڈ حضرات کے موافق کوئی چیز نہیں ہو سکتی
خواہ اس میں ملک کے متعلق کچھ ہی کیوں نہ کہے۔ تصورات کے راستہ
کی روک تھام بالکل مفقود ہو جائیگی۔ اور عدم تعاون کی تحریک پہلے
کی نسبت زیادہ تیزی سے ابھرے گی۔ اور بہت زیادہ فسادات کا باعث
ہوگی۔ جس کا انجام بہت برا ہوگا۔ گاندھی تو صرف اپنا وقت گزر رہا ہے

پودھوالا باب اگر انگریز دست بردار ہو گئے

امریکن سیاہ اپنے باب ”پیغمبر کے بیٹے“ میں لکھتی ہے جس صلیب
مسلمانوں کو اسلام کے بچے کے نام سے پکارتی ہے۔ اور یہ ایک
علم روحانی کا بہت عمدہ مطالعہ ہے۔ اور اسی سے امریکن روحانیت
کا بہتر پتہ چل جاتا ہے۔ لکھتی ہے ”پیغمبر کے بچے انگریزوں کے دست برد
ہونیکا انتظار کر رہے ہیں کہ جب یہ نکلیں تو اس وقت فوراً ہندوؤں
کو مار کر بھگا دیا جائے۔ یا ان کے تمام حقوق چھین لئے جائیں۔
مسلمانوں کی ریڑھ کی ہڈی یا دوسرے الفاظ میں زبردست سہارا

شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے اور اس صوبہ کے دوسری جانب زبردست کنبہ وار پڑا ہے۔ وہ شخص بچھ کی مانند بولتا ہے۔ سونے میں کھیتا ہے اور لامتناہی طریق پر سرگوشیاں کرتا ہے۔ اور پنجاب کے بکے مسلمانوں کے لئے ترکی ہلال کا پھر یا اپنے تیز وسیلاب کے ساتھ اڈانیکا بہت آرزومند اور اسی قسم کے صدمہ خواب دیکھتا ہے۔ اور اپنی روکیا ساتھ اسلام کے وسیع ہونے کا منتظر۔ اور اسطریقہ سے شمال مغرب کی جانب سے آکر ہندوؤں کی زندگیاں دوہر کر نیکار ممتنی نظر آتا ہے بچھ نما انسان دریافت کرتا ہے۔ (بقول مس میو) وہ کیوں نہیں کیا تم اپنے آباؤ اجداد سے کمزور ہو۔ انگریز وہ؟ تم کیوں توقف کرتے ہو۔ اور کیا شے تمہارے ارادوں کو لپٹ کر رہی ہے؟

اگر حقیقت میں میرا افغانستان ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ کہہ رہا ہے کہ میں ایک خرس تمہاری پشت پناہی پر ہوں۔ مال عنیمت کو دیکھو اور لوٹ مار کرو۔ اپنا کام خوب تمہاری سے کرو۔ اور خوب قتل کرو۔ (مدر اندیا صفحہ ۲۸۶) اگر واقعی مذکورہ بالا تحریر صحیح اور درست ہے۔ تو اس صورت میں ہندوؤں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اور انکو انگریزوں کا سب سے بڑا خطرہ ہونا چاہئے اور مسلمان انکے سب سے بڑے دشمن اور انکی جان و مال کے زبردست بدخواہ ہونے چاہئیں۔

مس میو کہتی ہے کہ مسلمان بظاہر خیر خواہ ہیں۔ وہ اپنی رائے کا بہت سے مسلمانوں کی طرف سے اظہار کرتی ہے کہ وہ اصلاحات کو بھی بالکل نہیں چاہتے۔ اور دکھاوے کے طور پر انگریزوں کا اس جگہ

رہنا بہت اچھا خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتی ہے ”ایک پہاڑیوں میں پرورش شدہ
 آدمی ایرانی حب و نسب کا شخص مجھے صوبہ سندھ میں ملا جس نے مجھ سے کہا
 تمام صوبہ کی حالت ہر طرح سے تسلی بخش ہے۔ اور وہ کسی قسم کا تغیر نہیں
 چاہتے۔ اور جو آپ ان چند شمالی قبائل کی بابت دریافت کرتی ہو۔ سو
 ہم ان کو آدمی تصور نہیں کرتے۔ اگر برطانیہ آج دست بردار ہو جائے
 تو یکا یک ایک محشر برپا ہو جاوے۔ جس میں سب سے پہلے ہنگال
 سرزمین ہند سے مانند صرف غلط کے میٹ جائے، یہ تحریر ایک فسانہ
 سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی مگر یس کی اپنی سچائی ہے۔ اصل میں یا تو
 مس موصوف وہی ہے اور یا بہت ہی بھولی اور سریع الاعتقاد ہے
 ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمان اور خصوصاً قبائل کے لوگ ہندوستان پر
 حملہ کرنے کو طیار ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ کب انگریز ہندوستان سے
 کوچ کریں۔ اور وہ مانند آندھی کے ہندو دنیا پر چڑھائی کر کے قتل و غارت
 کا بازار گرم کریں۔ واقعی انگریز جو تمام دنیا کی ہمدردی کے دعویدار ہیں۔
 وقت آنے پر اپنی محبت کا کچھ ثبوت نہیں دے سکتے۔
 مس میو کا انکار جیرانی لئے ہوئے ہے۔ اور اس سے اُس کے
 ماحول کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اور رسوائی کے خوف سے اپنا آپ چھپانے
 کی کوشش کر رہی ہے۔ اور اس طرح سے ظاہر بین اشخاص کو دبوکا
 دے رہی ہے۔ بجائے ایک کتاب لکھنے کے اگر وہ سلسلہ و مضامین
 لکھتی تو اس صورت میں اس کا انکار اور نتیجہ اس قدر واضح طور پر ظاہر نہ
 ہوتا۔ جس قدر کہ اب ہے۔

اس کے اختلاف اور انکار کی ایک در مثال لیجئے۔ وہ اپنی کتاب کے آغاز میں لکھتی ہے کہ موجودہ ہندو اور خصوصاً برہمن نہایت عالی دماغ اور صاحب عزت تھے۔ مغلوں کی حکومت کے لئے برہمن مانند آجکل کے آئی۔ سی۔ ایس کے (انڈین سول سروس) تھے ہم اس کے اپنے ہی الفاظ نقل کرتے ہیں۔

”مسلمان باوجود قرآن اور فارسی علم کے ماہر ہونے کے پھر بھی اپنے دماغ کو دیگر کتب و رسم وغیرہ کی تکلیف کو گوارا کرنے کے عادی نہ بناتے تھے۔ اس وقت برہمنوں نے بوجہ اپنے ذہن رسا اور عقل کے بہت جلد فارسی تسلیم حاصل کر کے حکومت کے کاروبار کو دیکھنے اور کرنے کے قابل بنالیا۔ اور بہت جلد وہ اس وقت کی حکومت میں ملازمت کرنے کے قابل ہو گئے۔“ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا زمانہ اس قدر ہندوؤں کا بدخواہ نہ تھا جقدر کہ مس میو اپنی سینیہ زوری سے بنا رہی ہے۔ غالباً حکومت برطانیہ انکے مقابلہ میں ہندوؤں کو اس قدر ترقی کرینکا موقع نہیں دیتی۔ ایک غیر جانب دار انگریز کی رائے ہے کہ یہ سب سے مشکل امر ہے۔ مسٹر آلڈ آؤس ہلے اپنی کتاب چٹنگ پلٹ (Festing Pilate) میں لکھتے ہیں۔

وہ اکثر انگریز جو ہندوستان سے محبت رکھتے ہیں آپ کو بتائینگے کہ وہ ہندوستانیوں سے محبت و الفت رکھتے ہیں۔ کسان مزدور سپاہی نوکر غرضیکہ وہ سب سے بہت ہی نیکی اور یکساں چہر بانی کا سلوک کرتے ہیں۔ وہ ان پرانے عقیدہ کے برہمنوں کی بہت تعریف کرتے ہیں

جو سمندر و کھجور کرناگنہ خیال کرتے ہیں۔ جن کا علم اور تاریخ تمام کی تمام یونانی
 کے قصے کہانیوں اور افسانوں پر مبنی ہے۔ وہ راجپوت بہادروں کی بہت
 صفت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ راجپوت ہر طرح سے مکمل انسان ہوتا تھا
 میدان میں مکمل سپاہی اور سوار کھیل کود اور اخلاق میں غرضیکہ ہر طرح
 سے راجپوت بہادر بہت تکمیل کو پہنچے ہوئے تھے۔ وہ موجودہ سکولونکی
 تعلیم کی نسبت بہت افضل تھے۔ وہ صرف اس جماعت پر انگشت نہائی
 کرتے ہیں جو مغربی طرز پر تعلیم پائے ہوئے ہیں کیونکہ سبب بالکل عیاں
 ہے تعلیم یافتہ ہندوستانی انگریزوں کا رقیب ہے۔ اور انکو برطرف اور
 باہر نکالنے والا۔ غلام اور جاہل طبقہ کے لئے انگریز خصوصیت کے ساتھ
 بڑائی کا اظہار کرتے ہیں۔ پنڈت اپنے آپ کو سنسکرت کے علم میں لگاؤ
 رہنا اور بوجہ اپنے پرانے عقیدہ کے اپنے آپ کو اچھے رکھنا پسند کرتے
 ہیں اور کھیل کود کے شائق شرفا کسی چیز کے بھی ماہر نہ ہونے کے باوجود
 مغربی طرز کے مطابق خواہ مخواہ اپنی فوجیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ سب
 کچھ ہر دلعزیزی اور اپنے بچاؤ کی خاطر ہوتا ہے۔ مگر کوئی شخص دوسرے
 سے محبت نہیں کرتا۔ اگر اس کو اس شخص سے اپنی حق تلفی اور اختیارات
 کے چھن جانے کا خوف ہو تعلیم یافتہ ہندوستانی انگریزوں کے نزدیک
 اتنا ہر دلعزیز نہیں۔ اس کا منتظر رہنا چاہیے۔

مس یو کہتی ہے اگر میدان ہندوؤں کے ہاتھ رہا اور وہ جیت
 گئے۔ انگریز دست بردار ہو گئے تو اس صورت میں ہندوستان میں
 خون کی ندیاں بہ جائیگی۔ اگر برطانیہ مانند رومن کے ہندوستان پر

دست بردار ہونا چاہتا ہے تو مس میو اور اس کے ثنا خوان اور چاہنے والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم امریکن کے کمزور آباؤ اجداد کی طرح موجود روئن (سراڈ انگریزوں سے ہے) کے گھٹنے ٹیک کر آنسو بہری آنکھوں سے بحر و بر کی حفاظت کے لئے بالکل نہیں گڑا بیٹھے۔ ہندوؤں نے جن کی بابت مس میو نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ہرگز انگریزوں سے اپنا لشکر اور پوری بستی اٹھانے کی التجا نہیں کی۔ ہندو بس صرف یہی چاہتے ہیں کہ انہیں ملکی مرتبہ مل جائے۔ مس میو اور اس کے اطلاع کرنے والے یہ خیال نہیں کرتے کہ موجودہ خود سری اور مکمل طور پر دست برداری ابھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی۔ وہ خوش ہو سکتے ہیں۔ مگر سیاست مدن ابھی اس قدر مفلس نہیں ہوئی۔

اس دوران میں یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ ہندوستان پر انگریزی حکومت کے قیام میں (جیسا کہ مس میو نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے) اور برطانیہ پر رومن سلطنت میں کیا فرق ہے۔

اول:- مورخ کہتا ہے (اومینز ہسٹری آف انگلینڈ) انکا (رومیوں کا) ملک (برطانیہ) پر قبضہ خصوصاً فوجی تھا وہ اس جگہ کے باشندوں میں اپنی عادات و اطوار رسم و رواج اور اپنا علم پھیلائے میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے اور نہ وہاں کے باشندوں نے اپنی قومی زبان کو چھوڑا۔

مس میو بھی کہتی ہے کہ انگریزی تسلیم یافتہ ہندوستانی اپنے ملک کی رسم و رواج کو تبدیل کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اس کی

مبالغہ سے پُر رائے کے برخلاف نتیجہ یہ ہے کہ وہ اصحاب جو بلا نقص کے انگریزی خوب چھی طرح بول سکتے ہیں۔ وہ ہی ہندوستانی دستور اور رسوم کے خلاف نہیں۔ میکالے کا مقصد یہ تھا۔ اور اسی کو اس کا ذمہ دار گردانا چاہئے اس کی خواہش تھی۔ کہ ایک متوسط افراد کی جماعت ایسی بنائی جائے۔ شکل و شباهت اور خون کے لحاظ سے ہندوستانی ہو۔ مگر اس کے ذہنی اخلاقی غرضیکہ تمام اوصاف انگریزی طریق پر ہوں۔ ایک وقت مشرق پسند اصحاب نے اس کی مخالفت بھی کی تھی۔ حال ہی میں جہانگیر گاندھی نے انگریزی سکولوں کی تحسین کے برخلاف بائیکاٹ کی آواز بلند کی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ کہ ایسے سکول غلام خانے ہیں۔ جن کا کام لوگوں کے قلوب میں غلامی کی روح پھونکنا ہے۔ وہ اشخاص جو خیال کرتے تھے کہ انکار رویہ دوسروں سے سخت ہے۔ اور ان کا اخلاق ان سے قدرے بہتر اور اعلیٰ۔ وہ ہمیشہ یورپین طرز کے برخلاف آوازیں بلند کرتے رہے ہیں۔ رومنوں نے برطانیہ کو اپنے رنگ میں نہیں رنگا۔ اور نہ ہی انگریز ہندوستان کو برطانوی رنگ میں رنگ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی انہوں نے ایسا کیا۔

دوم:- ایک دوسری مشابہت انگلستان پر رومن حکومت کے اور ہندوستان پر انگریزی حکومت کے درمیان نوٹ کریں۔ واقعی مقبضے اور فوجی مراکز سب رومن رنگ میں تھے۔ جیسے ایاریم اور دیوا یا تجارتی مرکز مانند لندن کے جن میں تمام آبادی زیادہ تر لاطینی زبان بولنے میں فخر سمجھتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ عظیم الشان کلب خوبصورت حمام اور پبلک بلڈنگ پر بھی ناز کرتی تھی (ماخوذ از او مینز سٹری آف انگلینڈ)

لیمپ بھانا مقصود ہوتا ہے تو بجائے بتی کو چھوٹا کرنے اور بھونک مارنے کے
 باہر سے اس کی لگی ہوئی کمائی کے ذریعے بھجا دیتے ہیں۔ دوپڑے بتی کے
 اوپر آکر کاربن کو خاموش ہونے سے روک دیتے ہیں۔ اور لیمپ گل ہو جاتا،
 مس میونے اس سے مراد لی سنے کہ جیسے وہ آلہ بتی کو بھجا دیتا ہے۔ اور
 ان ہر دو پردوں کے درمیان بالکل کم جگہ اور تاریکی ہو جاتی ہے۔ اس
 طرح وہ مکان تنگ تاریک ہوتے ہیں۔ مترجم

چہارم مورخ کہتا ہے ”رومنوں نے اپنی انجنیری اور حکمت کے
 کارناموں کی وجہ سے برطانیہ کی بہت سی حالت بدل دی تھی“ ^{۱۸۷۷ء}
 برطانیہ کے انجنیروں کی ہندوستان میں ضرورت نہیں۔ مگر
 ملیر یاروہ اور زردور و ہندوستانی بلا تفسیر ہی رہینگے۔

مس میو کہتی ہے ”ہندوستان کی لفظوں میں سے ملیر یا اور
 اس کی وجہ سے کثرت اموات ہی نہیں۔ بلکہ جسمانی حالت کی کمزوری
 اور کاروبار کی گری ہوئی حالت بھی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے (ملیر یا کو جسے)
 دیگر اور امراض بھی آگھیرتی ہیں“ ^{۱۸۷۷ء}

ایک انگریز جو اس کی بابت بہت اچھی طرح سے توجہ دلا سکتا ہے۔
 کہتا ہے ”اگر ہندوستان سے ملیر یا کا اندازہ چلائے تو بہت ہی
 اچھا اور خوبصورت ملک بن جائے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر برٹش
 گورنمنٹ کے کام کرنے والے ماہرین کچھ ہدایات کریں اور کچھ دوسرے
 جمع ہوا تا کہ حالت بدل سکے“ وہی صاحب آگے لکھتے ہیں۔ ہندوستان
 ایک پرفضا ملک بنایا جاسکتا ہے۔ اگر ہندوستان کے موجود حکام

اپنی تہ جبہ کو بجائے دیگر غیر ضروری اور فضول کاموں کے اس سجا منڈل کریں جس کا تعلق زندگی صحت اور افراد کی بہتری سے ہے“ وہی صاحب ایک روشن مثال پیش کرتے ہیں۔

”نہر پانا مائے گناہ ہے پر انجنیروں کی مشکلات اور تکلیفات کے مابعد لا تسرأت ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ انجنیروں نے وہاں پر ملیریا کے اندر کے لئے بہت کچھ تدابیر کر کے اب اسے ایک بہت اچھا پرفضا مقام بنا دیا ہے جہاں کا ملیریا دنیا میں اپنی سمیت کے لحاظ سے ثانی نہ رکھتا تھا۔ مس میو کو معلوم ہونا چاہئے کہ پانا ماگیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ مقام نگال کی نسبت اس کے گھر کے زیادہ قریب ہے۔ یہ کہنا فضول ہے کہ نگال اور ہندوستان کے دیگر حصص سطح زمین سے نیچے ہیں۔ وہ ہالینڈ کے لیول (Level) سے زیادہ نیچے نہیں ہیں۔ میں جن دنوں ہندو لینڈ میں تھا تو نیچے وہاں ایک چیز نے متحیر کیا۔ وہ کیا؟ میں یہ دیکھ کر حیران تھا کہ اہل ہالینڈ کس طرح قدرت کی کمی کو قدرت کی وہی ہوتی امداد سے پورا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں جہاں کہ قدرت کی بخشش کی ہوتی بہت سی آسانیاں ہیں۔ ہوائی پگلیاں۔ سسٹیم انجن اور ہائیڈرو الیکٹرک طاقت وغیرہ لگائی جاسکتی ہیں۔

مس میو کہتی ہے کہ سرکاری ملیریا کے داغ کی تدابیر دیگر مقاموں کی طرح جتنا کہ تقدم بالحفظ کے طور پر دیگر صورتوں اور تدابیر اختیار کی جاتی ہیں بہت بری طرح سے برباد ہو گئیں کیونکہ موجودہ حکومت ہندوستانی اثر سے ہونے سے ۱۹۴۷ء میں صحت عامہ اور تندرستی ایک منتقل شدہ

مضمون قرار دیا گیا۔ گورنمنٹ گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے کیا کرتی رہی۔ جبکہ مضحکہ انگیز اصلاحات سے ہندوستان بالکل صاف تھا اور گورنمنٹ تنہا ہی سب سیباہی و سفیدی کی مالک تھی۔ اور جبکہ اس کو کسی دوسرے صلاح کار کے مشورہ کی تکلیف بھی نہ تھی؟ اصلاحات کے مخالف سورا جٹ نے کہا ”صحیح غامہ پولیس درجیل کے عوض میں ایک منتقل شدہ مضمون قرار دیا گیا۔ کیونکہ گورنمنٹ نہایت فیاضانہ طور پر گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی ان فروگزاشتوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھی جو اس طول عرصہ میں ہندوستانی گندھوں اور جسموں کے متعلق کی تھی۔“ سورا ج کے حامیوں نے ہندوستانی وزیر کو ہمارے روپے کے اختیار کے حکومت اور منصب کے برخلاف مطلع کر دیا۔ کیونکہ گورنمنٹ اس پر اپنا تصرف رکھتی ہے۔ حکومت کے نشے میں جس طرح دشمن انکو ملزم گردانتے ہیں۔ بھلائی کرنیکی خوشگوار امید پر اغیار پسندوں نے وزارت کو حاصل کر لیا۔ سر سریندر ناتھ بنیرجی بہت شکستہ دل ہو کر راہی عدم ہوئے۔ اور مرتے وقت انکے دل میں ہی حسرت رہی۔ وہ یہ کہ باوجود کوشش و سعی کے انہوں نے اپنی زندگی میں بنگال سے طبریا کا ان داد ہوتا نہ دیکھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پانا ما کی طرح بنگال سے بھی طبریا کا ان داد ہو جائے۔ مگر انٹوسس انکی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ وزیر نے روپے کے لئے خواہش کا اظہار کیا۔ مگر روپیہ ملتا نظر نہ آیا۔ ہندوستانی وزیر نے اس سلسلہ امر کی تصدیق کے عوض میں نہایت تکالیف برداشت کیں مگر حکومت کی طرف سے انہیں روپیہ بالکل نہ ملا تا کہ وہ کچھ نہ کر سکیں۔

پنجم :- مورخ لکھتا ہے "رومنوں نے زراعت کو بہت وسیع پیمانے پر چلایا اور بہت ترقی دی ایک مرتبہ سخت قحط کے زمانہ میں برطانیہ کے غلہ سے فرانس کی پرورش ہوتی رہی" (غور کیجئے حالانکہ قحط تھا)۔
 برطانیہ نے ایک نیا ارادے کا مضبوط کاشتکاروں اور اُس کے ہندوستان میں بھیجا جس کا پہلا کام ایک زراعتی کمیشن (Agricultural Commission) تھا۔ اب صرف دیکھنا باقی یہ ہے کہ کبھی خشک پہاڑوں پر سے بھی سبزی کی امید ہو سکتی ہے۔ اکثر لارڈز اور ہندوستان کی کاشتکاروں کو بہتر بنانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ تو اس صورت میں کوئی دوسرا شخص بھی اس کی حالت کو بہتر نہیں بنا سکتا۔

ہندوستان کے غلہ کے دس اور میں بھیجنے کے متعلق لوگوں اور ہندوستان شہزادگان نے بہت مرتبہ توجہ دلائی ہے۔ کہ قحط سالی کے زمانہ میں غلہ باہر کے ممالک میں نہ بھیجا جاوے۔ ایک مہاراجہ صاحب بہادر نے ایک مرتبہ کہا تھا "حالت قابل رحم ہے کہ ہندوستانی غلہ دیگر ممالک میں بھیجا جاتا ہے جبکہ خود بھارت انا کے بچے جو نہایت مشقت سے آناج پیدا کرتے ہیں۔ بھوکے بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ اس کا انتظام ہونا ضروری ہے کہ قحط سالی کے زمانہ میں غلہ کے دس اور بھیجنے کے متعلق سخت جماعت ہوئی چاہئے۔ تاکہ عوام الناس خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔"
 مس میو ہندوستان کے اس خیال پر خندہ زن ہے کہ ہندوستان کا آناج دس اور میں نہ بھیجا جاوے مس میو کہتی ہے کہ جس طرح ہندوستان سے غلہ باہر جاتا ہے اس قدر آتا بھی ہے۔ مس میو کے الفاظ کے مطابق

ہندوستان غلہ کے سوال کے لئے دوسرے ممالک کے برابر ہے۔ مگر سوراج کے واسطے سب سے بدتر ہے۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان سے اگر غلہ باہر جاتا ہے تو اس صورت میں ہندوستان میں اناج باہر سے آتا بھی ہے۔ تو دوسرے ممالک کی طرح اس کو آزادی اور سوراج بھی تو ملنا چاہئے۔ کیونکہ غلہ کے بارے میں وہ سب کے یکساں ہے مگر سوراج کے لئے ہی وہ سب سے برا ہے۔

ششم :- فراسیسی۔ اطالوی۔ اور مشرقی باشندے انگلستان کی تجارت میں حصہ کی غرض سے آئے۔ اور اسی طرح برطانوی مددگار رسالے نے امیداد کے طور پر پیرا عظموں کو عبور کر کے دوسرے ممالک کو گئے۔

غیر ملکی ہندوستان کی تجارت میں حصہ کی غرض سے آئے۔ خواہ ان میں برطانیہ کو بوجہ حکومت کے ان سب پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح کی فوقیت کی مثال ایک مرتبہ برطانوی سٹیل (ایک قسم کا پکا لوہا۔ فولاد) کو ہندوستانی سٹیل کے مقابلے پر حاصل ہوئی تھی ہندوستانی سپاہیوں نے سمندر ونگو عبور کیا۔ اور انگلستان کے لئے تین ہجڑہ انوں میں لڑائی لیں۔ میری آنکھوں کو یہ دیکھ کر نہایت ہی خوشی حاصل ہوئی۔ کہ وائی پرہیز کے میسنر گیٹ کے بڑی ستون پر ان تمام مرے ہوئے سپاہیوں کے نام کندہ تھے۔ جنہوں نے اپنی جانیں صرف اسی خاطر قربان کیں کہ تمام دنیا کے دولتمند ٹھیکیداروں کی سلطنت قائم رہے +

مسس میو کہتی ہے کہ ہندوستان جمہوریت کے قابل نہیں۔ جو کہ اصل میں اس کا انکار ہونا چاہیے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ رومنوں نے انگلستان کے باشندوں کو جمہوریت قائم کرنے سے روک دیا تھا؟ رومن حکومت انگلستان کے لئے بہت ہر بان اور خیر خواہ تھی۔ اور جب رومنوں نے بوجہ اپنے دار الخلافہ میں جنگ درخانی ہونے کے انگلستان کو چھوڑا تو اس چھوڑنے کا انگلستان پر بہت ہی اثر پڑا۔ روم پر برہمنی حملوں اور خانہ جنگی نے انگلستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔ وہ کیا کرتے تھے؟ اپنا دار الخلافہ رکھنا انگلستان کے قبضہ میں رکھنے سے بدرجہا بہتر معلوم ہوا۔ مورخ لکھتا ہے "اس طرح برطانیہ آزاد ہوا۔ اس لئے نہیں کہ انہوں نے خود غلامی کے جوئے کو اتار پھینکا۔ بلکہ وہ انکی خوش قسمتی تھی کہ رومنوں نے خود ہی انکی حفاظت سے انکار کر دیا۔" غریب بے یار برطانیہ نے جگسوز اور پردرد التجا میں لکھ کر کے رومن کے دریا میں پھینچ دیں کہ وہ آکر پہرا نہیں سروس کے دست ستم سے بچائیں۔ وحشی اور سنگدل سیکنوں *Saxons* نے آکر پھر دوبارہ انگلستان کو ستمنا شروع کیا۔ انکی دلدوز صدائیں اور آہ پکاراں الفاظ میں بلند ہوئی۔ "وحشی اور سنگدل ہم کو سمندر میں غرق کرنے کی خاطر پھینکتے ہیں۔ اور سمندر پر ہمیں وحشیوں در ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔ ہماری پہلی التجا ہے کہ ہمیں بجائے ان کا لیٹنا کے تہ تیغ کیا جاوے کیونکہ ہم کو بچانے اور سہارا دینے والا اس دنیا میں کوئی نہیں۔

مسس میو کے خیال میں نگرینوں کے دست بردار ہونے کے بعد

بالکل ہی حالت ہندوستان کی ہو جائیگی "مادان ہندوستان
سے انگریزوں کا جانا ہی پسند کرتے ہیں" یہ مس صاحبہ کی اپنی دماغ کی
ایک جائزہ اختراع ہے۔

نہ صرف ہندو ہی بلکہ مسلمان بھی سوراج ہی کے خواہشمند ہیں
اور بہت زور لگاتے ہیں۔ بوریہ بسترہ باندھنے کو نہیں۔ کہہ انگریز اپنا
بوریہ بسترہ اور ملاؤشکر سمیت یہاں سے نکل جائیں۔ ہنر امپریل مجسٹری
دی کنگ امپیر (شہنشاہ انگلستان) کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ ساہا
سال سے اور شاید پشت پاشت سے مجبان وطن اور وفادار ہندوستانی
اپنے مادر وطن سوراج کے خواہشمند تھے ہیں۔ مس میو کے ذہن
ارتقا کے ساتھ ہی میں یہ کہہ کر ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوستانی
سے سوراج کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ اگر طانیہ ہندوستان
دست بردار ہو گیا جس طرح کہ رومن انگلستان سے دست بردار
ہو گئے تھے۔ ہندوستان کی حالت مانند قدیم انگلستان کے ہرگز
خراب و کمزور نہ ہوگی۔

شہنشاہ ملک معظم نے یہ بھی کہنا بھیجا تھا "آج کل تم میری
سلطنت میں سوراج کا آغا کر رہے ہو اور یہ کوشش وسیع پیمانہ پر
ہو رہی ہے اور اس کوشش وسیع کے لئے مواقع بھی پیدا ہو رہے ہیں۔
پاک تم مانند دیگر ممالک کے آزادی کی ہوا کھا سکو" ہندوستانی
افراد اس بات پر یقین ہیں۔ کہ بغیر قومی فوج اور طاقت کے سوراج
کا آغاز خراب ہے۔ ملک کی حفاظت کے لئے ہوم رول مقدم ہے۔

پھر ہندوستان معظم کا ہندوستان نو ہونا چاہیے جو ہندوستان نو کی بنیاد پر جس کا ہندوستان نو

بہت سی بیکار کوششیں کی گئیں۔ مگر جائز کام سے ہمیشہ انکار ہی ہوتا رہا۔ فوجی بجٹ ہندوستان کی تعمیر و ترقی کے ذریعہ بالکل منتخب نہیں کیا جاسکتا۔ اور ہندوستان میں فوجی کارباج ایک بھی نہیں فیروز دہلی کا پرنس آف ویلز ملٹری کارباج ابتدائی پبلک سکول ہے۔ سیرائیڈریو سکین کی رپورٹ پر ایک کمیٹی مقرر ہوئی۔ مگر ابھی تک پرنس گورنمنٹ نے ہندوستان میں فوجی کالجوں کے اجرا کا پورا ارادہ نہیں کیا کیا انگریز ہندوستان کو اسی حالت میں چھوڑنا چاہتے ہیں۔ جس حالت میں سسٹیکنز رومن حکومت کے دست بردار ہونے کے بعد انگلستان کو پایا گیا تھا۔؟

مس میو جواب دیگی ”ہاں“ مگر انگریز کہیں گے ”نہیں“ اور پرزور اور تاکید والی الفاظ میں جواب دیں گے ”نہیں“

ہندوستان باب

عوام الناس والیان ریاست

مدرا نڈیا (بھارت ماتا) کے مطالعہ کے بعد وہ شخص جو ہندوستان کی حالت سے ناواقف ہے یہ خیال کرے گا کہ ہندوستانی ریاستوں کے امرا و وزراء اور پرنس حکومت کے افراد ہا تو ہمیں تلواریں لہو ایک دوسرے سے مارنے پر تیار ہیں۔ امرین مس نقشہ کھینچتی ہے

”شہزادوں کے قلوب ملکی مدبران کے برخلاف نہایت ہی ذلیل کن جذبات سے معمور ہیں اور ملکی مدبران اچلتے ہوئے پانی کی مانند حقارت کا جذبہ لئے ہوئے ان کے مخالف ہیں۔ انگریزوں کے دلوں سے ایسے خیالات اٹھ رہے ہیں۔ مگر شہزادوں اور والیان ریاست کے دل ان کی خرابیوں کی جگہ لئے جارہے ہیں، یہ ہے غیر معمولی نقشہ جو امریکن سیاہ اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے۔“

اگر کسی کا مقصد شہزادگان و والیان ریاست اور ہندوستانیوں کے درمیان غلط فہمی اور نقصان کا بیج بونا ہو تو وہ ایک دوسرے کی بات غلط بیانی سے کام لیگا اور وہ ہی بیرونی دنیا میں اور بالکل ہی طسلفہ امریکن سیاہ نے اختیار کیا ہے بیان کرتی ہے۔

دوسرا جٹ بھول گئے کہ موجودہ گورنمنٹ نے والیان ریاست کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ وہ بوجہ اپنی طاقت و اختیارات کے ایسا نہ ہو کہ ایک صدی پیشتر کی مانند بہرک ٹھیں اور اگر ہندوستانی فوج آپس میں تلگئی تو بجائے لیجسلیو اسمبلی کے پیچھے لگنے کے کسی دوسرے والئی ریاست کے ساتھ نہ مل جائے۔

یہ لوگوں کے شک و بدگمانی کو ابھارنے کے لئے کافی سی بھی زیادہ ہے۔ والیان ریاست اور شہزادگان اور ان کی تجویزوں کے متعلق لایسنی باتیں کرنے کے بعد جب انگریز ہندوستان سے نکل گئے تو اس وقت مس میو ملکی مدبران کے متعلق شکوک پیدا کرنے کا عرصہ پایسگی اپنا اظہار خیال ان الفاظ میں کرتی ہے۔

والیان ریاست اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ جب انگریز ہندوستان سے گئے وہ آپس میں ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت کو بڑھانے کے لئے پاس والی زمین ملانی شروع کر دیگا۔ موجودہ ملکی مدبران پہلے ہی جھونکے میں اڑ جائیں گے۔ جیسے اگ لگنے سے پہلے پھونک مارنے ہی بہو سہاڑ جاتا ہے

اس سے آگے مس میو لکھتی ہے کہ ایک والے ریاست نے اس سے کہا ”برطانیہ اس جگہ رہا تو برطانیہ انگریز شرفا کو بادشاہ کی طرف سے ہمارے پاس بھیجیگا۔ اور تمام اچھی طرح فیصلہ ہو جائیگا فیصلہ اور تصفیہ ایسا ہوگا جیسا دو دوستوں کے مابین ہوتا ہے۔ اگر برطانیہ دست بردار ہو گیا۔ ہم والیان ریاست فوراً تار جائیں گے کہ ہندوستان کو کیسے سیدھا اور درست کیا جاسکتا ہے۔

مس میو کے یہ وہم و گمان میں بھی نہیں ہے کہ والیان ریاست سجادہ نشین کو مستعدی اور آسانی سے منسوخ بھی کر سکتے ہیں تو ہی خیر کے طور پر کہتی ہے۔ ”بہادر اور جنگو امرا کا مجمع اپنے کارکنوں اور اصلاحی گورنمنٹ کے مدبران کی دلچسپی بھی کرنے سے گریز کرتا ہے۔ انہی نفرت اس طاقت سے ہے جس کا وہ احترام بھی کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق گفتگو اور بحث دیکھیں کہ نا ایک رذیل و کمینہ پن خیال کرتے ہیں“

ہم حیران ہیں کہ آخر ملکی مدبران کیا خیال کرتا ہے مس میو ایک چھوٹی سی دعوت کا ذکر کرتی ہے جو دہلی میں دی گئی تھی ”میزبان کی طرح تمام

جہاں ہندوئنگالی تھے۔ جن کا تعلق مغربی تعلیم یافتہ پیشہ وروں سے تھا۔ انہوں نے برطانیہ کے ہندوستان سے اخراج کی بابت ذکر کیا اور انہوں نے ہندوستان کے آئندہ انتظام کے متعلق بھی گفتگو کی۔ مس میو نے دریافت کیا ”آپ کی والیان ریاست کی بابت کیا رائے ہے؟“ ”ہم انکو علیحدہ کر دیں گے“ ان میں سے ایک نے نہایت اعتماد سے کہا اور سب نے سر ہلا کر تسلیم کیا۔“

المنصریہ ایک برباد شدہ سلطنت کا نقشہ ہے۔ بیرونی ممالک میں کتا ب کس اثر کا باعث ہوگی۔ یہ امر اس طرح خود بخود دھل ہو جائیگا کہ رعایا اور والیان کے درمیان ایک عام معاہدہ اس امر کا ہو جائیگا کہ برطانیہ جارہا ہے۔ اب فیصلہ طلب یہ بات ہے کہ فرمانروائی رعایا کی جانب منتقل کر دی جائے یا شہزادوں اور والیان کی طرف آؤ ہم امریکہ کی ایک فی پارٹی کے آسانی سے گمراہ شدہ افراد کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔

”کیا تم نے مدرانڈیا کا مطالعہ کیا ہے؟“ نیک ہرولڈ فریڈرک میز باجور کہتی تھے۔ جس کی تمام نئی کتابوں کے پڑھ چکے میں کافی شہرت تھی۔ وہ ہاں کیا یہ امر ہولناک نہیں! کہ برطانیہ ہندوستان کو چھوڑ رہا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا ”مگر دیکھو ہندوستانی ایک دوسرے سے کتنا نفرت کرتے ہیں۔“

”اور عوام الناس والیان ریاست سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟“ ”ہاں نفرت کر نیسے نفرت پیدا ہوتی ہے اور اعتماد رکھنے سے یقین“

”کیا آزادی کی دوڑ میں والیان ریاست اپنی رعایا اور دیگر افراد سے کوئی ہمزدی نہیں رکھتے؟“

”بالکل نہیں انکا ملکی مدبران کے برخلاف خیال بہت برا ہے۔ اور انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور افسوس کی بات ہے کہ برطانوی خزانہ کو ان سے دینا پڑیگا۔ ہر دو یعنی عوام الناس اور والیان خیال کرتے ہیں کہ برطانیہ بہت جلد ہندوستان چھوڑنے والا ہے۔ ہاں کھلم کھلا ایسی باتیں کرتے ہیں۔ مس میو کی بھی یاد اور حافظہ لیرت انگیز ہے جس نے والیان ریاست اور خود اختیار فرماؤں کے الفاظ لفظ بہ لفظ نقل کر دیئے ہیں۔ جو انہوں نے اس پر اعتماد کر کے اس سے کہتے تھے۔“

”کیا وہ آپس میں دوستانہ طریق پر کام نہیں کر سکتے؟“

”اودہ نہیں۔ کیا ملٹن کی کتاب شیطان میں نہیں۔ کہ جہاں نفرت کا زخم بہت کاری لگا ہو۔ وہاں اصلی اور از سر نو ملاپ کا ہونا ناممکن ہے؟“

”وہ سکر وہ زخم کیا ہیں؟ اس تمام جھگڑے کا سبب کہاں ہے؟“

”اودہ والیان ریاست اپنی طاقت فرمانروائی سے حاکم بنے بیٹھے ہیں۔ اور امر اور روس کا طبقہ مشرق میں عوام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہی سب کچھ بنے ہوئے ہیں۔“

”مس میو مدر انڈیا میں شہزادگان دو والیان ریاست کی تجاویز کی بابت نہایت برابریاں رسم کرتی ہے۔“

”یہ ایک کہانی اس شخص کی زبانی ہے جس کی راست گوئی پر میرے خیال میں کبھی بھی شک نہیں ہوا۔ یہ ذکر اس مسئلہ کے طوفانی وقت کا

جبکہ ملک میں جدید قانون اصلاح لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا کر رہا تھا۔ اور افواہ بھی کہ برطانیہ ہندوستان کو قریب ہی چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ میرا گاہ کئزدہ ایک تجربہ کار امریکن تھا۔ اور وہ والیان ریاست میں ہی ایک قابل دہلی کے ہاں ملاقات کے لئے گیا جو اپنی ہرزہ ریزی رعب و دبدبہ اور طاقت و اختیار میں سب سے اعلیٰ تھا۔ جس کے حکم کی عدنی کوئی نہ کر سکتا تھا۔ والی ریاست کا دیوان بھی موجود تھا۔ یہ تینوں آپس میں نہایت ہی آرام سے بیٹھے ہوئے مانند دوستوں کے باتیں کر رہے تھے۔

دیوان صاحب نے کہا ”حضور ہنزہائیں صاحب بہادر یقین نہیں کرتے کہ برطانیہ ہندوستان چھوڑے مگر تاہم انگلستان کی جدید طرز حکومت کے ماتحت وہ خراب ضرور ہونگے۔ اس لئے ہنزہائیں صاحب بہادر اپنی فوجوں کو درست کر رہے ہیں۔ سامان حرب و چاندی کے سکے وغیرہ جمع کر رہے ہیں۔ اور اگر ہندوستان سے برطانوی چلے گئے تو ان کے جانے کے تین ماہ بعد بنگال میں کینواری لڑکی اور ایک روپیہ تک ڈھونڈنے سے نہیں ملیگا۔“

”اس کو ہنزہائیں صاحب بہادر نے جو کہ بنگال سے دور فاصلے پر قریب ہندوستان کے وسط میں بیٹھا ہوا تھا۔ نہایت خوشی سے تسلیم کیا کہ پشت پاشت سے اس کے آباؤ اجداد سرداران مرثیہ لہرے اور غار تگر رہے ہیں۔ (موتے حروف غور کریں) امریکن سپاہ سالہ ۱۹۰۶ء کے پر آشوب زمانہ کا ذکر کرتی ہے جبکہ مذکورہ بالا گفتگو معرض وجود میں آئی۔“

مگر یہی گفتگو عرصہ بیس سال کا ہوا میسٹر ریمز نے میکڈانلڈ
 نے درست طور پر اور خوشی سے رقص کی ہے۔ میسٹر صوف
 لارڈ مارلے کے زمانہ میں جب کہ وہ سیکریٹری آف سٹیٹ تھا
 ہندوستان آئے تھے۔ اُس نے اپنے جذبات اپنی کتاب
 "بیداری ہند" میں ظاہر کئے ہیں۔ بیداری ہند کے صفحہ ۲۵ پر یہ عجیب
 گفتگو درج ہے جس کو آج بیس سال کے عرصہ بعد س میو نے اپنی
 طرف سے ظاہر کیا۔ اور از سر نو زندہ کیا۔ میسٹر ریمز نے میکڈانلڈ
 نے لکھا ہے :-

"میں سے پہلے میں جس سردار سے ملا وہ مشہور و معروف سر پرتھوی
 تھا جس کی بابت عجیب و غریب حکایات زباں زد خاص عام ہیں۔ وہ
 اس بات پر اظہارِ افسوس کر رہا تھا کہ اب اس کی عمر بہت بڑی ہو گئی ہے
 اور کسی دوسرے جنگ کے ہونے تک شاید وہ زندہ نہ رہے برطانوی
 دوستی اس کے لئے سوائے شہادت اور صفائی کے اور کچھ نہ تھی۔ کیونکہ
 عمر کا وہ سنہری موقع اب گزر چکا تھا۔ یعنی اب جوانی جا چکی تھی۔ وہ
 اس امر کا متمنی تھا کہ کاش اس کو کال کے ملکی مدبران کے خلاف اپنی پولو کی ٹیم
 لیجانے کا موقع دیا جائے۔ اور وہ کلب کے تمام اخراجات کا بار اٹھانے کا
 وعدہ کرتا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے
 کہا تھا کہ برطانیہ کے ہندوستان سے چلے جانے کے چند گھنٹے بعد
 بنگال میں کنواری لڑکی اور ایک روپیہ تک ڈھونڈنے سے
 نہیں ملے گا۔ اور اسی قسم سے متعلقہ اشیا یہی۔ وہ نہایت قوی

اور بہادروں کی اولاد میں سے ہے جس نے کہ مرتے وقت ملتان کے والی لانز کو بلا بھیجا۔ کہ یہ اس کی آخری عنایت و امداد ہے۔ اور جنگ کا تحفہ۔ والی ملتان نے جب اس دعوت کو قبول کر لیا اور اس کو معلوم ہوا تو یہ بہت خوش ہوا۔ اس نے شکریے کے طور پر نشان کیا۔ اور خضوع و خشوع سے بتوں کی جھنڈ دے دی اور اس بخشش کو بتوں کی ہریائی اور کرم کا سبب قرار دیکر اپنے خیالات کو دنیا سے بالکل جدا کر دیا۔ (موتے حروف پر دوبارہ غور کریں)

اس سے آپ کو مس میو کے الفاظ کی صداقت صاف طور پر عیاں ہو گئی ہے کہ اس نے اپنی کتاب مدرا ندیا میں کہاں تک سچائی سے کام لیا ہے۔

مس میو تمام دنیا کو یقین دلاتی ہے کہ لوگوں اور والیان کے درمیان رعایا اور گورنمنٹ کے درمیان سخت کشت و خون ہو رہی ہیں جھگڑے چل رہے ہیں۔ حالانکہ اسی کے ساتھ ہی دودھ اور شہد کی نہریں بھی گورنمنٹ اور والیان کے درمیان چل رہی ہیں۔“

کسی ملک و خصوصاً ہندوستان کے متعلق ایسی باتیں ترتیب دینا خطرہ سے خالی نہیں۔ سردار اور والیان ریاست اور جاگیر دار ایسے ہی ہیں جن کی دلچسپیاں بالکل برطانوی ہند کی رعایا سے ملتی جلتی ہیں۔ حالانکہ میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ انکا ذاتی تعلق کس دغا باز فرقہ سے نہیں جنکا یہی کام ہے۔ کہ اعلیٰ شخصیتوں اور رعایا کے درمیان متناظر اعلیٰ حکایات سن کر پھوٹ پیدا کی جائے۔

نظام حیدرآباد (رقبہ ۸۲۶۰۰ میل) کی ریاست قریباً جزائرِ برطانوی کے برابر ہے۔ (رقبہ برطانیہ ۸۸۷۰۰ میل) جہاں اچھا گائیگوار بڑودہ اور جہاں اچھا ناچہ یہ خود مختار ریاستیں الگ ہیں۔ جن کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں کا برطانوی ہند کے ملکی مدبران کیساتھ اتفاق و تعاون ہے۔ وہ برطانوی ہند کی ترقی اور حالت کے ساتھ ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اور اپنی ریاستوں میں قریباً وہی قانون نافذ کر کے اسی کیساتھ ملتے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ آپس میں دوست اور اپنی اصلاح کر رہے ہیں۔ مس میونس نے دنیا کو یقین دلایا ہے کہ فرمانروایان ہند ملکی مدبران کیساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ہنر ہائینس گائیگوار بڑودہ نے سرسرنیدر ناٹھ مینرجی کے لئے وزارتِ اعلیٰ امیش کی جن دنوں بنگال کی تقسیم کے بارے میں لارڈ کرزن کی مخالفت ہو رہی تھی ان دنوں سرسرنیدر ناٹھ کو بنگال میں سب سے تاج کا بادشاہ کہتے تھے۔ اور بہت مشہور تھے۔ مگر آخر ہنر ہائینس کو بنگال کی وزارت کے لئے کون اٹھا تھا؟ اگر سرسرنیدر ناٹھ اس وزارت کو قبول نہ کرتے تو یہی ہوتا کہ وہ بنگال میں اس سے قبل منتخب ہو چکے تھے اور اس وقت گھوش جس نے کہ بنگال کی تحریک میں خاصہ حصہ لیا۔ وہ ریاست بڑودہ کا سب سے اعلیٰ امیر تسلیم تھا۔ جہاں اچھا میسور نے جہاں اچھا گاندھی کو ریاست کی جانب سے دعوت دی۔ اور طلب کیا۔ نظام حیدرآباد نے نیشنلسٹوں کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ریاست کے تمام کاروبار کو ہندوستانی رنگ میں

رنگین اور بنانا شروع کر دیا۔ اور یورپین اشخاص کو خارج کرنا شروع
 کر دیا کیونکہ یہ معاملہ نظام اولاد اور واسطے کے درمیان بدھ بھو خط و کتابت
 بحث کی۔ حد تک پہنچ چکا تھا۔ ہندوستانی والیان ریاست میں
 سے جہاں راجہ ناہہ رائے پدالامن سنگھ کمال شخصیت کے انسان
 ہیں۔ جو دوسروں کی باتوں پر ذرا کان نہیں دیتے۔ جو یہ کہتے ہیں
 برطانوی ہند اور ریاستہائے ہند چینی دیوار کی طرح الگ الگ
 ہونی چاہئیں۔ کیونکہ ان کا کام ایک دوسرے کے دلچسپ گمانی
 اور حسد و المیہ ہے۔ مگر جہاں راجہ ناہہ انکی باتوں کی پرواہ تک نہیں کرتے
 گورنمنٹ کو یہ معلوم تھا کہ اس کو قدرت نے انتظامی قابلیت
 واستعداد بہت عطا کی ہوئی ہے۔ اپنے مطلب کی غرض اور
 ضرورت سے گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کر لیا۔ کہ جہاں راجہ رائے پدالامن
 کو بطور ایک انتظامی ممبر کے پرانی شاہی مجلس قانون سازان میں
 مقرر کر دیا جائے۔ بجائے آفیسروں کے ساتھ گہرا تعلق ہونے کے
 جہاں راجہ صاحب ہمدرد کا تعلق مخالف پارٹی کے لیڈر اعظم گوالا
 گوٹھلے کے ساتھ ہو گیا۔ وہ پونا کے سنٹ کلاس پولیٹیکل اسکول کے
 محکم سے وعدہ کر کے بہت خوش ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ بغاوت
 آمیز مینگ بل کی مخالفت کی جائے۔ مگر یہ ایک منتخب شدہ
 حاکم کے لئے بہت خراب تھا۔ ایک ممنوع امر تھا کہ ایک ہندوستانی
 ریاست کا ہونیوالا فرمانروا اور گورنمنٹ کا منتخب شدہ خزانہ
 ایسا کام کرے۔ ملکی مدبران اور پبلک اپنے ضعیف حافظہ کو

نوٹ کر سکتی ہے۔ وہ جماعت جس کی بابت مس میو بیان کرتی ہے۔ انکا حافظہ اور یاد بہت زیادہ اور طاقت ور ہے۔ وہ پرانے افسوسناک واقعات کو یاد رکھتے ہیں اور موقع آئے پر اپنا کام کر نیسے ہرگز نہیں چھوکتے

ہمارا راجہ صاحب نے اس جماعت کو اس قدر تنگ کیا کہ نہ تو وہ بھول ہی سکتے ہیں۔ اور نہ وہ معاف ہی کر سکتے ہیں۔ وہ دن تھے کہ جب مائیکو کی اصلاحات جدید کے عہد کا اظہار بھی نہ ہوا تھا۔ اعتدال پسند ملکی مدبر کو کھلے جیسے پر بھی بدگمانی ہو گئی۔ جس نے کہ بخوشی برطانوی قانون اور ونڈ سرکیٹ ہی مجلس کیساتھ متعلق رہنا خوشی سے قبول کیا تھا۔ ہندوستان کے برخلاف اخبارات نے اس کو جید باز محرم خیال کیا۔ سی۔ آر۔ داس کی طرح جو کہ بنگال کا آرتھر گر فٹس تھا۔ اور سب سے زیادہ جانفشانی کر رہا تھا۔ اور جس جیسا ہندوستان کی سرزمین نے کبھی نہ پیدا کیا اور نہ شاید پیدا ہو سکے۔ گو کھلے ہی اس کی وفات کے بعد آئینروں کی تحسین کے قابل تھا۔ اگر داس کی وقت مدائے تحسین زیادہ بلند تھی تو یہ اس لئے تھی کہ اس کی جانفشانی و قربانی دوسروں کی نسبت زیادہ تھی اس کا سیاست مدین کا علم بہت وسیع اور لوگوں پر اس کا اختیار و طاقت اصلی اور حقیقی تھی۔ داس ایک مختار خود محرک تھا۔ اور صاف طور پر خطرناک۔ گو کھلے ایک خطرناک معاملہ فہم شخص تھا۔ جس کی عقل ملکی کاموں میں بظاہر مانند ٹھہری ہوئے پانی کے مگر بہت گہری تھی۔ اسی وجہ سے ہونیوالے نا بھگے کے ہمارا راجہ نے

اس سے تعلق پیدا کر لیا۔ یہ گو کھلے کا سیاست مدن کا علم تھا۔ جسکی
 ہمارا جہ نے تعریف و توصیف کی۔ یہ گو کھلے کا ہی نقشہ اور تجویز تھی
 جس کو اس نے پیسج اور ووٹ کے دو جہان میں منظور کر لیا۔ کچھ تعجب
 نہیں کہ رائے پدما من سنگھ اپنے بزرگوں کی گدی پر بیٹھنے سے بہت عرصہ
 قبل مس میو کے کہنے کے مطابق کی جھکی بابت وہ بیان کرتی ہے کہ اس
 فرقہ کی خراب فہرست میں تھا۔ انہوں نے (اس جماعت نے جس کی بابت
 مس میو لکھتی تھے) اس کو نیچا دکھانیکا اور خراب کرنیکا تہیہ کر لیا تھا
 جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

ہندوستان میں بہت سے ہمارا جے ہیں۔ کچھ تو ملکی معاملات
 میں خوب ماہر دور بین اور خود مختار ہیں۔ دوسروں کا اپنا ذاتی نقطہ
 کچھ بھی نہیں۔ اور وہ فطرتی وزیر کا شکار ہو رہے ہیں۔ کچھ اور ہیں جو
 بالکل ہی ناکام ہیں۔ موصوفی الذکر فرقہ کی بابت لارڈ میڈلینم نے لکھا ہے
 ”خاص آفسروں کی تعداد جن میں ہمارا جہ بریکانیر۔ الور۔ پیالہ
 کشمیر اور لوہال نگر شامل ہیں۔ انہوں نے وائسرائے کیساتھ اپنے جائز
 مطالبات اور بے چینی کے اظہار کے لئے مشورہ کیا۔ تاکہ ان کے مطالبات
 کے صحیح ہونے پر نظر ثانی کیجاوے“

مگر ہمارا جگان کی وفاداری خواہ وہ خود مختار اور پبلک کے خیر خواہ
 ہوں۔ حیرت انگیز ہے۔ وہ ہمیشہ ہونہار نیشلسٹ آج تک پیدا نہیں ہوا
 جب اس کے جہگڑے اور اختلافات گورنمنٹ کے ساتھ تھے۔ جن کا
 آخر میں نتیجہ سلطنت یا ریاست سے دست برداری نکلا۔ اس وقت بھی

ہزار ہا پرل نیچے پٹنشاہ محلستان کے وفادار رہے ہیں ہندوستان میں نایہ کے ہمارا جہ ای پلن بھی جیسا

اس کی شہنشاہ جالاج پنجم سے وفاداری بے نظیر طور پر قائم تھی۔
 ۵۰۰۰ پونڈ بطور یادگار پیش کئے تاکہ
 شہنشاہ جالاج پنجم کی سالگرہ کی تقریب جو قریب ہی ۳ جون ۱۶۱۲ء
 کو ہوگی۔ نہایت تزک و احتشام سے منائی جائے۔ کیونکہ یہ جہاراجہ صاحب
 کی دلی خواہش تھی۔

بعض برائی طرز اور دوقیانوسی خیال کے آدمیوں نے یہ خیال کیا
 ہوگا کہ یہ پیشکش بہت ہی قبل از وقت ہے۔ اس لئے کہ جہاراجہ اور
 رائل فیملی (شاہی حاندان) ہر دو اس وقت تک اس کے والد کی وفات
 پر ماتم کر رہے تھے۔ مگر اس کے برخلاف مغرب میں ایک دشمن واقعہ تھا
 ”بادشاہ فوت ہو گیا ہے۔ خدا بادشاہ کی عمر دراز کرے“ مقام غور تھے
 کہ اس موقع کو جہاراجہ نا بوجھ کیسے جانے دیتا۔ جبکہ حضور شہنشاہ ملک معظم
 ہندوستان میں آئے تھے۔ اور اس کی سالگرہ کا دن بھی قریب تھا
 اور وہ اپنی نوع کا ایک پہلا بادشاہ تھا۔ جو ہند کی سرزمین پر
 تشریف فرما ہوا تھا۔ جہاراجہ صاحب بہادر کے لئے اس سے بہتر
 اور کوئی موقع اپنی وفاداری کے دکھانے کا نہ تھا۔ کیونکہ صرف اس ایک
 ہی آمد شاہی نے شہزادگان و جہاراجگان اور رعایا کے دل تسخیر
 کر لئے تھے۔

سب جہاراجگان میں سے مذکورہ بالا سلوک سچے اس بہادر اور قوی جہاراجہ
 کا شہنشاہ انگلستان کے ساتھ گو اس کو اس کے اپنے جھگڑے کے
 معاملہ میں کس قدر نقصا ہی کیوں نہ ہو۔ جب جنگ عظیم شروع ہوئی۔ جہاراجہ

ناجہ ہی سب سے پہلا شخص تھا۔ جو اپنی تمام ریاست کا تمام مال و دولت
گورنمنٹ کے ادا کرنے سے اشارے پر قربان کر نیکو تیار تھا۔ حالانکہ اس
کی ریاست اتنی وسیع نہ تھی۔

یقیناً جب سب سے زیادہ عالی و علو سب سے بڑھا ہوا ہے.....
اور سب سے زیادہ اختیار والا دالمی ریاست اپنی رعایا اور اپنے آقائے
نامدار شہنشاہ کی خدمت کرتا ہے۔ اور ہر وقت طیارہ رہتا ہے۔ تو
اس صورت میں مس میو کی غلط بیانیوں پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے۔ جو
یہ کہتی ہے کہ والیان ریاست آپس میں برطانیہ کے اخراج کی باتیں کرتے
ہیں۔

سولہواں باب مہتمم دوسروں کی نظروں میں

غالباً یہ امر باعث خوشی ہو گا کہ اگر ہم ان انگریز اور انگریز خواتین
کی آراء سے ناظرین کرام کو آگاہ ضروریں جنہوں نے ہندوستان کو دیکھا
اور جانتے ہیں وہ اس کے ساتھ ہی مدرائنڈ یا کچھ ہی مطالعہ کیا ہے۔ ان
میں سے اکثر ایسے اصحاب بھی ہیں جو اپنے نام سے لکھنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ
وہ اپنی فطرتی جھجک سے مجبور ہیں۔ مگر ان کے برعکس وہ آدمی ہی نہیں
ہے جو الزامات کو بعینہ جیسا کہ وہ واقعہ ہوئے ہیں لکھتا ہے
”یہ اس شخص کے لئے بہت مشکل ہے۔ جو سادہ لوح و عجز و ذہانت

ہندوستان کے باشندوں کی بابت جانتا۔ اور معلومات رکھتا ہے،
مس میو کی کتاب کے متعلق سر جان مینارڈ آئی۔ سی ایس (ریٹائرڈ)
لکھتے ہیں :-

”یہ اسرارہ کہ تمام ہندو آبادی تناسلی امراض میں گرفتار ہے
اس کی تردید تو صرف ایک طبابت پیشہ شخص ہی کر سکتا ہے جس نے
ان اشخاص کے درمیان رہ کر اپنی ٹریکس کی ہو“

ہندوستانیوں کی جمیں تسلیم یافتہ طبقہ بھی شامل ہے۔ مگر وہ
عادات کے بدلے میں ایک انگریز نامہ نگار لکھتا ہے

”ویرس حلقہ“ اصحاب میں تمام تعلیم یافتہ افراد شامل تھے۔ تمام
کے تمام بہت ہی اعلیٰ تسلیم یافتہ نہ تھے۔ تاہم وہ ہر روز علی الصبح
جب تک غسل نہ کر لیتے اپنے آپ کو سوسائیٹی کے عیال اہل آپ اور کھانے کے
ناقابل تصور کرتے تھے۔ غسل کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو ان تمام
کاموں کے قابل خیال کرتے تھے۔ مگر قبل از غسل وہ کھانا کھانیسے قبل و بعد
دونوں مرتبہ ہاتھ دھونے کے عادی تھے۔ کھانے کے بعد اپنے دانتوں کو
خوب بھی طرح صاف کیا کرتے تھے۔ انکی صفائی کی بعض عادات
یورپینوں کو بھی حیرت بنائے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ خصوصاً کھانا
پکانے کی انکی باریک بینی کھانا پکانے کے معاملہ میں قابل رشک ہے۔ میرے
خیال میں غالباً وہ بوجہ آب و ہوا کے ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ اس کے
علاوہ انکا دستور العمل یہی ہے۔ اور مذہب یہی یہی کہتا ہے اور
اسی وجہ سے وہ اس محافظِ صحت اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔“

بچن کی شادی کے متعلق وہی شخص رقمطراز ہے -
 ”معاملات کی تہ کو پہنچ کر میں نے کبھی کسی بچپن کی شادی کی مخالفت
 نہیں کی۔ میرے ایک دوست کی جس کی عمر ۱۷ سال کی ہے۔ واقعی
 ۱۲ سال کی عمر میں شادی ہو گئی تھی اور یہ درست ہے۔ مگر وہ اپنی عورت
 کا منہ تک نہ دیکھ سکا۔ حالانکہ وہ اس کے باپ ہی کے گھر میں یعنی اسی
 دوست کے گھر میں رہتی ہے۔ اور باپ اس کی پوری طرح محافظت
 کرتا تھا۔ میں نے اکثر مرتبہ سنا ہے کہ بچن کی شادی اس لڑکے بہتر
 ہوتی ہے کہ منکوجہ عورت اپنے سسرال کے ہاں بچپن سے ہی آجائے
 تاکہ وہ اسی عمر سے ہی تمام کنبے اور خاندان کی عادات و اطوار سے اچھی
 طرح واقف ہو جائے۔ اور بڑی ہو کر اس کو وہ کالیف نہ دیکھنی پڑیں
 جو اکثر جوان عورتوں کو پیش آتی ہیں یہ بچپن ہی سے ہر طبیعت سے
 بخوبی واقف ہو جائے۔ مگر یہ طریقہ قریبی خاندانوں میں برتنا جاتا ہے
 مگر شادی کیلئے جسمانی حالت قبل از بلوغت کامل نہیں ہوتی۔
 (یہ میں اس جماعت کی طرف سے کہتا ہوں۔ جس میں کہ یہ میرا تجربہ ہے
 کہ شادی قبل از بلوغت نہ ہونی چاہئے)۔ لاہور میں ایک کالج بنا ہوا ہے
 (برہائشی سکول) جس میں بلاتیمز مذہب ہندو اور مسلمان روموں کی
 لڑکیاں رہتی ہیں۔ اور یہ بالکل درست ہے کہ وہ وہاں ۱۶ سال اور
 کبھی اس سے بھی زائد عمر تک رہتی ہیں۔ یہ میرے بیان کی ایک
 شہادت ہے کہ اعلیٰ طبقہ میں بچپن کی شادی اب متروک ہو چکی
 جا رہی ہے۔“

مسٹری۔ جی۔ ہانمین ایکٹنگ مینجس نے ہندوستان کی بابت زحمت گوارا کر کے نہایت انصاف سے مگر حقارت آمیز غصہ سے مس میو کی کتاب کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں ”اختراعات صرف اس لئے کئے گئے تھے کہ ہندوستانیوں کا امریکہ کی نگاہوں میں تذلیل کی جائے۔ ہندوستان کی حمایت جس قدر کی گئی وہ سب پر عجیب ہے۔ مصنف نے اپنے آپ کو پروپیگنڈا پیسٹا نوالو کے ارادوں سے ایک جانب رکھنا چاہا۔ مگر اس کا یہ بہانہ نہایت گستاخانہ اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ وہ کہتی ہے کہ اس نے ہندوؤں کی مقدس تحریریں بالکل سچی لکھی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی کانگریس کے سامنے ایک بل موجود ہے جس کا نام ”ہندوؤں کے حقوق شہری کا بل“ ہے۔ جس کا آغاز سینٹر کوپلینڈ نے کیا ہے۔ اس کے فوراً ہی بعد فیصلہ سے جو سب سے بڑے کورٹ سے صادر ہوا تھا۔ ہندوؤں کو محروم قرار دیا ہے کہ وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے حقوق شہری نہیں حاصل کر سکتے۔ اور اس لئے وہ ناقابل تقرر ہیں۔ وہ اشخاص جنہوں نے مس میو کو ایک طرف کر دیا ہے۔ لاریب انہوں نے امریکن قلوب کی سیاہی کا تخمینہ کر لیا ہے۔ کہ انہوں نے (امریکن) ہندوستانیوں کو سخت محراب اخلاق گردانا ہے۔

اور اس کی کتاب کا اثر ہند پر یومیں اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ اگر ہندوستانیوں نے اب تک ہندوستان میں امریکیوں کی خوشحال خلافتی اور تحمل دکھایا ہو۔ تو اس صورت

میں نفرت و حقارت کا جو جذبہ کتاب سے عیاں ہوتا ہے۔ وہ انہیں ہندوستان کی نگاہوں میں ذلیل کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ مسٹر ڈی۔ ایف۔ میک کلینڈ جو مدارس میں لوجوان عیسائیوں کی مجلس کے جنرل سیکریٹری ہیں۔ اور خود ایک امریکن ہیں۔ انہوں نے کہا ہے۔

”ایک بہت تھوڑا عرصہ ہندوستان میں رہنے کے بعد ایک میری ہموطن عورت اس قدر بے باکی سے ہندوستان کی حالت نہایت نازیبا الفاظ میں لکھے کہ شاہنشاہ ملک ہی ذلت اور غیبت میں مبتلا ہے بطور ایک اہل نظر ہونے کے جس کی بہت سی باتیں امتحان کی تاب نہ لائیں گی۔ اس کے علاوہ بہت سی مبالغہ آمیز تحریرات کے بعد کے نتیجے ہے جو کہ اس نے اپنی طرف سے نکالے ہیں سراسر بے بنیاد اور لٹو جھوٹے ہیں۔ ہندوستان میں میرا قیام ۱۹۵۹ء سے ہے۔ اور اس عرصہ میں میں نے تمام فرقوں میں دورہ کیا ہے۔ میں اس کی کتاب کے غلط بلاتامل گرجوشی سے صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ دور دراز کے باشندے اس کو صحیح تسلیم کریں گے۔ کیونکہ اس کی بھی طرز ہی ایسی ہی جس سے ذاتی تجربے کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ تعصب اور کمپارٹی کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی ناشائستہ و نازیبا کتاب امریکیوں کی بابت یا کسی دیگر مغربی قوم کی بابت لکھی جاوے۔ اس وقت ہم بحیثیت ایک مغربی ہونے کے اس کی غلط بیانیوں کی بابت ضرور اس کی مخالفت کریں گے۔“

سرگینالڈ کریڈٹ اک۔ آئی بی۔ ایس ریٹائرڈ کی رائے میں۔
 ”تصویر کا رخ اور نقش نہایت ہی تاریک ہے۔ کیونکہ مصنف نے
 تاریک جوانب ہی نظر دوڑائی ہے۔ کیا ہیب شکال و نقشے ہی بہت زیادہ
 تعداد میں تھے۔ کیا صدیوں سے اس خطرناک نظام کو ان اقوام میں
 سے کسی نے درہم برہم نہ کیا؟ برخلاف اس کے ہندوؤں کے مذہبی اور
 سوشل رسم و رواج اور طریق نے بہت بڑی حد تک بدھ مت
 اسلام اور عیسائیت کی معتقد کرنیوالی کو ششوں کا مقابلہ کیا ہندوؤں
 کے خاندانوں کا آپس میں ملاپ ایک غیر مترقبہ نعمت ہے۔ جو ان کو
 (ہندوؤں کو) مضبوط بنائے ہوئے ہے۔ یہ اپنے محدود حلقہ میں بہت
 عمدہ خاندانی تعلقات و محبت خدا ترسی۔ اور قابل رشک جانفشانی کا
 جذبہ لئے ہوئے ہے یعنی ہندو دھرم جس کا ہر ذی روح انسان
 شایع ہے۔“

کینٹیل (Capital) کلکتہ کا ایک ہفتہ وار اخبار ہے جس
 میں ستر ڈچر نے جو کہ ایک بہت مشہور پرنٹرز ہے ایک دلچسپ مضمون
 مدرائڈیا کی بابت لکھا ہے۔ اخبار کا ایڈیٹر مشرپیٹ لوٹ ایک
 قابل دجی ہے۔ لکھا ہے۔

”سب سے پہلے اس نے سب سے بڑے مضمون نگار کی تصدیق
 کی کہ آجکل ایک فروخت کنندہ دس میں سے نو کی تعداد میں خراب
 ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امریکنوں کی کج ادائی اور فہمی و عقلی بددیانتی
 ایک بہت ہی خطرناک ہے۔ اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ اس

کی شیطانی کاموں کی جانب رجعت ہے اور خواہش ہے کہ ہسپتالوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ تاکہ سنگدلوں کو شیطانی کام کی وجہ اور انکے عوص میں سبب فرد کو زنا جیسے مکروہ فعل کے الزام میں گنہگار ٹھہرایا جاوے۔ کتاب علمی جوہیوں سے یکسر معرے۔ یہ کتاب نوہی کا بہت ہی خراب طریقہ ہے۔ یہ کتاب اکثر ماندرگرم کیگ کے فروخت ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں بیماری کا مادہ ہے۔ اور زیادتی سے اس کی بچی ہے۔ کیونکہ اس میں ہندوستان کے ہوم رولی کی صدا کے برخلاف پروپیگنڈا ہے جو کہ روحانی زمانہ میں شائع ہوا۔

میجر گراہم پولیس میو کی کتاب پر بطور ریویو کے نیولڈ میں ہیں ”اس کی دلچسپی ہندوستان کی بیکار سوسائٹی سے ہے۔ وہ پہلے باب میں اپنے جذبات کا نقشہ کھینچنے کی طرح ایسی فضا پیدا کرتی ہے جس سے کیا ہم کیا ہندو سہی اپنے مذہبی دستور العمل سے منحرف قرار دے جاتے ہیں۔ وہ بیان جو اس نے قلمبند کیا ہے ہندوستانیوں کی رسوم میں داخل نہیں ہے۔ اور اگر وہ رسوم ہیں تو نہایت ہی اسفل اور ادنیٰ طبقہ کے جاہل اس کے خوگر ہیں۔ ہندوستان میں سوشل اور مذہبی رسوم ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہستیا ہیں۔ ہندوستان کی شادی کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرنے کے لئے اس نے شفا خانوں اور طبابت پیشہ اصحاب کی رپورٹوں کی جانب رجوع کیا ہے۔ حالانکہ بیانات کی اصلیت اگر دیکھی جائے تو کچھ بھی نہیں۔ اور اگر ہے تو بہت کم جوان کی پریکٹس کے دوران میں بہت

ہی کہہ دیکھنے میں آئی ہے۔

”لکھتی ہے کہ ہندوستان کی نوجوان لڑکیاں آدمیوں کی دسترس سے پیشگیری خاص حفاظت کے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ اور میرے خیال میں یہ ایک بالکل بے بنیاد الزام ہے۔ اگر مس میو برطانیہ میں آئے اور شفا خانوں کا ملاحظہ کرے تو برطانوی زندگی کو نہایت ہی تاریک رنگ میں پبلک کے سامنے پیش کرے۔ اور اگر وہ چند دن پولیس کورٹ میں رہ کر وہاں کے حالات دیکھے۔ تو اس پر برطانوی خاندانی زندگی کی تاریکی اور روشنی بالکل روشن ہو جائے۔ یا وہ اپنی ملک کے اخلاق کو ہی لے۔ کیا ہم امریکن تماشوں کی فلموں سے وہاں کے اخلاق کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟ یہ ہمارے لئے بہت ہی طعن آمیز بات ہے کہ مس میو ہندوستانی تہذیب کا اسی بری طرح خاکہ کھینچے جو کہ ان کو لازم ہے کہ وہ امریکن کمپنیوں کے فلموں کے برخلاف ایک قانون نافذ کرے۔ جو ایک گندی تہذیب کا نمونہ اور محض خلاق ہیں۔ تاکہ ان محض خلاق فلموں کا اثر ہندوستانیوں پر نہ پڑے۔“

میں یادداشت کے طور پر مسز اینی بسنت کی رائے قلمبند کرتا ہوں۔ جو ہندوستانیوں کی ایک شریف اور سچی خیر خواہ ہے اور اس جیسی عورت ہندوستان میں اس سے قبل نہ تھی۔ اس نے اپنے تعلقات اور دلچسپیوں کو اپنی مادر وطن کے مطابق بنالیا۔ اور اس نے اپنی زندگی ہندوستان اور انسانی ہمدردی کے لئے وقف کر دی۔ اور یہ ایک عجیب پیشکش ہے۔“ لکھتی ہے۔

مد میں نے اپنے وقت کا بہت سا حصہ ۱۸۹۳ء سے ہندوستان
 میں صرف کیا۔ میں مانند ایک ہندوستانی کے رہی اور گھروں میں
 نہایت تواضع سے جاتی رہی اور وہ (ہندوستانی) مجھے اپنا ہی
 خیال کرتے رہے۔ مگر اس لمبے عرصہ میں مجھے کبھی ہی ایسے خطرناک
 واقعات کا جس کا کہ اُس نے (مس میو) ذکر کیا ہے۔ دیکھنے کا اتفاق
 نہیں ہوا۔ میں بچپن کی شادی کے برخلاف بہت سے ہندوستانی مردوروں
 اور عورتوں کیسا تھ بلکہ پرچار کرتی رہی۔ ہر فرد بخوبی جانتا ہے کہ
 ہندوؤں میں پہلی شادی صرف سنگنی ہی ہوتی ہے۔ گولڈ کامر جانے
 کے بعد وہ صغرسن لڑکی بیوہ ہو جاتی ہے۔ اور صغرسن عورت
 اپنے ماں باپ کے گھر دوسری شادی کی وقت تک رہتی ہے۔ مجھے
 اس کتاب (مدرانڈیا کی سب سے پہلے ایک جلد ملی کتاب کہو لنے پر پہلی
 نظر پہلے باب پر پڑی۔ جس کی سرخی ”مانڈنے کی سواری تھی جس میں
 کالی گھاٹ کے مندر کے متعلق لکھا ہوا تھا۔ مس میو کو مندر میں
 ایک برہمن دوست ملے گا۔ جو سفید و مھیلے پا جائے اور سفید چہرہ
 میں ملبوس تھا۔ اور یہ ایک عام رنگالی لباس ہے۔ (مدرانڈیا)
 آخری الفاظ کیا ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ برہمن عام دہوتی اور شال
 پہنتے اور اوڑھتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کی
 تہ میں بالکل بے بنیاد تحریک پوشیدہ ہے۔“
 آخر میں میں چند مستند اور مختار مہستیوں کی آرا نقل کرنے پر
 ہی اتفاق کرتا ہوں۔ جیسے مس۔ اے۔ سی۔ چترجی۔ ہندوستان کے

ہائی کمشنر سر تھامس ہارڈ سپرو - وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا
ایکس چمبر - سر جین ملل سیٹل داد - بمبئی کے گورنر کی ایگزیکٹو کونسل کا
ایکس چمبر - مسٹر سچید مندر سہنا - بہار و ملویشہ کے گورنر کی ایگزیکٹو کونسل کا
کونسل کا ایکس چمبر - مسٹر ایم - ایم ہوانگری - مسٹر ویب - بیرٹرائٹ لا
جو سربراہی کی پریوی کونسل کے آگے پرکھیں کرتے ہیں - مسٹر کمارت
جورانی کمیشن کاشکاری کے چمبر ہیں - اس علاقہ تمام ہندوستان
کے سیکریٹری آف سٹیٹ کی کونسل کے تمام ممبران جیسے سر محمد رفیق
صاحب - مسٹر ایس - این ملک اور ڈاکٹر منچائے :-

آراملا حفظہ ہوں

ہو ہجاری توجہ کو ایک جدید طبع شدہ مدرانڈیا نامی کتاب کی طرف
منتقل کیا گیا - جو ایک مرکب سیاحہ مس کینہرائن میو نے لکھی ہے - اور
جو ہندوستان میں ۱۹۲۶ء کے موسم سرما میں آئی تھی - ہندویشیوہ
ہی بیوہ کتابوں کے پھونکنے کا نہیں ہے - جس میں کہ ہندوستان کی ہندو
کی مخلوط طور پر تذلیل کی گئی ہے -

ہم تسلیم کرتے ہیں - کہ تمام دیگر موسم سرما کے سیاحوں کی طرح
مس میو کو بھی رائے دینے کا حق تھا لیکن جب ایک غیر ملکی جس نے کہ
صرف چند ماہ ہی ہندوستان میں بسر کئے ہوں - وہ دیگر کتابوں
دسا لوں سے خوشہ چینی کر کے ایک بالکل بے بنیاد نتیجہ نکالتی ہے - اور
اپنے آپ کو اس طریق سے بری قرار دیتی ہے کہ اس نے یہ تمام مواد

لمبی رپورٹوں اور رسالوں وغیرہ سے اخذ کیا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک اس کے باشندوں اور اسکی تہذیب پر بالکل بے سہارا اہتمام لگا کر تمام ملک کو ملزم گردانتی ہے اس لئے ہم اس پر معترض ہوئے ہیں۔

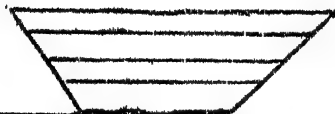
”وہ اپنے بیان میں تمام باتیں کر رہے ہندوستانیوں کو ذلیل اور جسمانی طور پر کمزور قرار دیتی ہے۔ اور لکھتی ہے کہ سب کے سب جھوٹے دغا باز اور اخلاق سے پریشہ ہیں۔ اگر کوئی بیباک ہندوستانی اسی طرح کا فیصلہ کسی مغربی قوم کے متعلق دے اور یورپ یا امریکہ میں چند ماہ قیام کے بعد وہ تمام مغربی اشخاص اچھی تہذیب و اخلاق پر الزام و اہتمام لگائے۔ اور اپنے بیان کی تصدیق کے لئے وہ روٹے کھڑے کر دینے والے اور سنسنی خیز واقعات اخلاقی گمراہی اور جسمانی و بدلتی کمزوری پیش کر دے۔ جس کی شہادتیں کچھ لوں ہسپتالوں اور ذاتی تجربات حکام کی رپورٹوں۔ اخبارات و رسالوں کے علاوہ دیگر مثالوں سے بھی ملتی ہیں پیش کرے تو اس کے جائز اور درست فتوے کو چھوٹا قرار دیکر اسے ناقابل توجہ قرار دیا جاوے گا۔“

”عجب چیز بات ہے کہ جہاں مس مسیو کے لئے ہندوستانی زندگی کی خرابیاں جاذب نظر ہوئیں۔ اس صورت میں اس کو ملک کے دیگر شعبوں سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے تھی۔ مگر اس نے ملک کے دیگر شعبوں میں جو گذشتہ نصف صدی سے اپنے کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ موثر اصلاحات تعلیمی ترقی اور

انہی دوستی کے مسائل پر بالکل غور نہیں کیا۔ اور نہ ہی اسکو اتنا موقع ملا کہ ہندوستانی خیالات اور سوشل اصلاحات کے نامور اور مشہور لیڈروں سے مل کر ان سے کچھ معلومات حاصل کر سکے۔

دور یہ ہمارے لئے ایک بہت مشکل کا مقام اور موقع ہے۔ کہ ہم بالتفصیل ان تمام وحشیانہ غلط بیانیوں کی تردید کریں جن سے کہ اس کتاب کا صفحہ رنگین نظر آتا ہے۔ ہم ایسی خراب فاضلت کی کتاب پر غام توجہ کرنیکی ضرورت محسوس کرتے۔ مگر جب ہم نے دیکھا کہ اس کتاب کی طباعت نے برطانوی اخبارات میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ ہندوستان کے لئے ایک نقصان کی وجہ روشن ہے۔ اس موقع پر ہمارا فرض ہے کہ تمام برطانوی پبلک کو اس کتاب کی غلط اور تعجب خیز باتوں سے فوراً آگاہ کر دیں۔

لنڈن کے ایک مشہور روزانہ اخبار نے مدرانڈیا کا تحسین آمیز الفاظ سے خیر مقدم کیا ہے۔ اور اس نے مذکورہ بالا جواب کو اپنے اخبار میں شائع کرنے سے گریز کیا ہے۔ اس پر شرح اور حاشیہ آرائی فصول معلوم ہوتی ہے۔



سترہواں باب

”کدال کدال ہی ہیں“

مس میو کدال کو کدال کہے۔ اُس نے اپنے ایک باب کا عنوان رد کدال کدال ہی ہیں رکھا ہے۔ اور اسی طرح یاد کرنے ہی۔ خواہ کسی وقت میں کدال کو زری آلہ کہنے پر مجبور ہو جاؤں۔ مگر یہ نہ ہو گا کہ کدال برچی ہی بجائے جسے نہایت دل کی صفائی سے کہنا چاہئے کہ تقسیم یافتہ امریکن باشندوں نے مس کی اس کتاب کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ میں جن دنوں میں سٹریٹ فورڈ میں تھا۔ ایک نوجھے سنر لیگیٹ اور مس میکلوڈ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ یہ دونوں انگلستان اور امریکہ کی سوسائٹیوں میں مشہور ہیں۔ ملنے کا اتفاق ایک ریجنی مکان جو سٹیکسیر کی لڑکی کا ہالز کرافٹ کے نام سے مشہور ہے۔ ہوا۔ جو آجکل امریکن خاتون کے پاس ہے۔ میں نے مس میو کی غیر تاریخی کتاب کا حوالہ دیا۔ مس لیگیٹ نے فوراً اور صحیح طور پر سمجھ لیا۔ کہ مس میو نے کیا لکھا ہے وہ اس نے چند قلم خاتون کو دیکھ کر تمام قوم کی حالت کا نتیجہ نکال لیا۔ مگر مس میو تو کہتی ہے کہ صرف زندگی خاتم ہی نہیں بلکہ ہسپتال ہی ہیں اس کے بیان کے مطابق ”غیر ملکی آدمی کے لئے ہندوستان کی سوسائٹیوں کی حالت معلوم کرنے کا سب سے بہتر ذریعہ ہسپتال

انکے بدنتائج کے حالات دریافت کرنے کے لئے ۱۹۴۷ء میں یکم جنوری سے آخر جون تک ۶ ماہ کا عرصہ ملا۔ اپنی تحقیقات کو ضروری سمجھتے ہوئے اگر یہ کہیں تو بچا نہ ہو گا۔ کہ اس عرصہ میں ہم تمام شفا خانوں میں سے صرف ۶۷ جواباً ہی لے سکے۔ حالانکہ بعض مریضوں کے فارم بڑی دقت کیساتھ پہنچ گئے اور بعض حالات میں جو اعداد لئے گئے وہ ہمارے مطلب و عرض کے بالکل ناقابل تھے۔ اور اس میں ذرا ہی شک کی گنجائش نہیں۔ کہ بہت سے شفا خانوں میں حالات کے موافق بالکل ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ ہم نے خیال کیا کہ انکا تقرر نصف پبلک کی طرف سے ہے۔ اور یہ امراض کے متعلق ایسے حالات بالکل فراہم کر کے نہیں دے سکتے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ منتظر جماعت کے لئے یہ سوال ایک بہت اہمیت رکھتا ہے۔

مس میو آخر نتیجہ نکالتی ہے ”فیصدی ہندوستانی مستور بہت کم ایسی ہیں جو تندرست اور بہر لحاظ سے مضبوط ہوں۔ تناسلی جوت اور ایسا ہی نتیجہ بے وقوف اشخاص نیویارک شفا خانے دیکھ کر نکال سکتے ہیں۔ اور ایسا نتیجہ دراصل بالکل غلط ہو گا۔ مس میو کہتی ہے۔ کہ برٹش سرجن سپرنٹنڈنٹ نے اس کو بتایا۔ مریضہ عورتوں کے بچہ میرا ہوا پیدا ہوتا ہے۔ وہ سوزا کی مادہ کے اثر میں ملوث ہوتی ہے جس سے آخر کار انکی عظیم عانہ (پیئرڈ کی ہڈی) بالکل خراب ہو جاتی ہے میں مس میو کے اس فیصلہ کا الزام برٹش سرجن سپرنٹنڈنٹ پر لگانا نہیں چاہتا۔ میں اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہوں کہ یہ سرجن کا ذاتی تجربہ تھا۔ کیونکہ تندرست کبھی ہسپتال نہیں جاتے۔ کیا ہم

کو انگلش شفا خانوں میں خرابا و خستہ حالت کے مریض نہیں مل سکتے ہر
میرے خیال اور رائے میں دنیا کی سب سب لوگوں میں سے دو نسلیں سب
سے زیادہ پاک صاف رہنے والی ہیں جنہیں سے ایک انگلستان کے
رہنے والے اور دوسرے ہندوستانی افراد ہیں۔ برٹش رائل کمیشن
کے ذیل کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا سخت بیوقوفی ہے کہ تمام برطانوی
عورتیں تناسلی چھوت سے ملوث ہیں۔

”حاملہ عورتوں کے آبِ خون یا لوزائیدہ بچوں میں سے ناف کے
خون کے ملاحظہ سے کہ شور ڈیچ کے ۱۷ کیسٹریں سے صرف ۱۴ میں
پوزیٹیویری ایکشن ثابت ہوا۔ یعنی ۱۹۰۷ فیصدی اسی طرح کی
ایک دوسری تحقیق سے معلوم ہوا کہ سٹیٹ پنکر اس کی ۹۰ پیدائشوں
میں سے پوزیٹیویری ایکشن صرف ۶۰۶ میں پایا گیا۔ ڈاکٹر مائس بیان
کرتے ہیں کہ شور ڈیچ کے ۲۹ حالتوں میں مائیں بالکل تنہا تھیں
اور ان میں سے پوزیٹیویری ایکشن صرف ۲۷۰۶ میں پایا گیا۔ اور
سٹیٹ پنکر اس کی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام پیدائشیں
بالکل جائز اور صحیح تھیں۔ اور اس طرح غیر منکوحہ ماؤں میں ایک
نئی بڑھتی ہوئی روکا اظہار ہو گیا۔ مذکورہ بالا تمام حالات میں
پڑتال بالکل صحیح طریقہ پر کی گئی۔ حالانکہ نتائج خراب تقسیم کی تصدیق
کے لئے بہت ہی کم حالات پر مبنی تھے۔ اور انہیں نتائج کو بہت عظم
خیال کرنا چاہئے۔

سین میو لکھتی ہے کہ ہندوستانی عورتوں میں نوے فیصدی

سوزش عانہ (پٹرو کی ہڈی کی سوزش) صرف بوجہ سوزاک کے ہے۔ یہ اس کی رائے ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس اس کی بریت کے لئے کوئی ثبوت نہیں

دو یہ ایک نئے مریض کی حالت ہے، وہ کہتی ہے کہ ہم ایک مریضہ کی چار بانی کے پاس ٹھہرے جو بھوکے حیوان کی طرح ہماری طرف لٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ اس کے بہت سے بچے ہوئے۔ اس مرتبہ ہسپتال میں مانند سابقہ کے اس عرض سے آئی۔ کہ اگر وہ ایک ایک جیتا جاگتا بچہ نہ جیسی تو اس کا خاوند اسکو ہرگز نہیں رکھیں گا۔

دوسرے مطابق یہ ایک تناسلی امراض کی مریضہ تھی اس کے علاوہ شفا خانہ میں اور بھی بہت سے نوزائیدہ بچے تھے، مقام خود ہے کہ اگر ہسپتال میں نوزائیدہ بچے تھے کیا ان میں سے کوئی کسی نسبت سے انکو تقسیم کر سکتا تھا۔ ۶ بچوں کی اموات بقول سب میو عمو ما تناسلی امراض کی اچھوت کا ہی نتیجہ ہیں۔ تناسلی امراض کے لئے مقرر شدہ رائل کمیشن کہتا ہے :- دو نقشہ نمبر ۱۷ سے انگلستان اور ویز کے اضلاع میں ایک سال سے کم عمر کے بچوں کی پیدائش ایک ہزار میں چھبیس قبل از وقت ولادت ہی شامل ہے۔ انکی اموات کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ جو بوجہ پیدائشی کمزوری کے فوت ہو چکے ہیں اس پر غور کیا جاوے گا کہ دیہاتی اضلاع کا مقابلہ نقشہ نمبر ۱۷ میں مقبول سے نہیں کیا جاسکتا۔ اور ویز میں تعداد اموات بہت ہی زیادہ ہیں۔ فی ہزار اموات کا بوجہ آتشک کے اظہار ہوتا ہے۔ یہ اموات

شہری اور دیہاتی علاقوں میں ۱۹۰۵ء - ۱۹۱۰ء کے عرصہ میں تقسیم کی گئیں تھیں۔ تاکہ ناجائز اور بجا طور پر پیدا شدہ بچوں کی تمیز ہو سکے نقشہ سے دیہاتی حدود میں آتشک کی زیادتی کا بہت کافنی ثبوت ملتا ہے اور شہری علاقوں میں بچوں کی اموات قریباً نصف ہیں ناجائز یا غیر شخص سے پیدا شدہ بچوں کی اموات جائز اور صحیح طور پر پیدا شدہ بچوں سے آٹھ اور دس گنا زیادہ ہے۔ ان نقشوں سے بالکل اصلی واقعات و حالات کا پسہ چل سکتا ہے۔ کہ آیا یہ درست ہیں یا نادرست۔“

مس میو کہتی ہے۔ ”دماغی امراض کی بہت سی مثال موجود ہیں ہندوستان کی ان باتوں سے وہ نتیجہ اخذ کرتی ہے۔ دو بچہ کیمائیت میں بیاتی گئی دس برس کی عمر میں خاوند کے سپرد کی گئی۔ اس یک لخت اور بیوقوفہ کام کے شروع کرنے سے اس کا اثر فوراً دماغ پر پہنچا۔“ ایسا ہوشربا پر دہیکندہ بغیر کسی عقل کے ہے۔ مگر کیا مغرب میں ایسی مثال گئی گئی ہی ہے؟۔ برطانوی کمیشن کیا کہتا ہے:-۔ پاگل اور غیر مغلوج مریض۔ ۵۵۱ پاگل اور غیر مغلوج مریضوں میں سے جن میں نوجوان مرگے زدہ۔ جنطی اور ضعیف العقل ہی شامل ہیں۔ صرف ۸۰ یا ۴۰ فیصدی مریضوں میں پوزیشنوری ایکشن پایا گیا ان اعداد سے بموجب ڈاکٹر ماس کے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دماغی امراض کے مریضوں میں سابقہ آتشک بالکل نہ تھا۔“ اس سے آگے کمیشن کیا کہتا ہے:-۔ دو پاگل خاٹوں

کی پڑتال کے لئے صرف تین ماہ کی اجازت ملی تھی
 ورنہ ۱۲ مئی میں سے ان مریضوں کے آبِ خون کے ٹیسٹ (Tests)
 کا اظہار ہوتا ہے۔ ہمارے لئے سٹبرائٹیوٹ کو ٹیسٹ کرنیکی
 اجازت ملی تھی۔ جس کے لئے صرف تین ماہ کی اجازت ملی تھی جبکہ
 اختتام دسمبر ۱۹۸۲ء میں ہوتا تھا۔ آبادی کے مختلف حصص میں
 ۱۴ مقرر کردہ پائل خانہ مقرر شدہ مریضوں کے آبِ خون کا امتحان
 ہوا تھا۔ ۵۴ مریضوں کے امتحان کے بعد ان میں سے
 ۸ مریضوں میں پوزیٹو ۹ میں تھوڑا پوزیٹو اور ۴۵۲ میں نیگیٹو
 ایکشن ثابت ہوا۔ پوزیٹو اور تھوڑا پوزیٹو ری ایکشن دونوں کے طائفے
 سے یہ مراد ہوئی کہ کل ۱۷۱ اشخاص صاف ہیں۔ پوزیٹو
 ایکشن صرف ۵۴ میں معلوم ہوا۔ اس آپ تمام انگریز قوم
 برفٹوئے عامہ نہیں کر سکتے۔

مسٹر ملک کے دسی اخبارات میں اشتہارات کو دیکھ کر اس
 نتیجہ پہنچتی ہے۔ جو ”جادو اثر ادویات اور دیگر آلات کی اخترا
 کے متعلق ہر اخبار میں ہوتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ تمام ملک ہی مریض
 اور نامرد ہے۔ اور یہ ایک بالکل نامناسب بات ہے۔ رائل
 کمیشن وہ حالات بیان کرتا ہے جن کا اس نے درست طور پر امتحان
 کیا ہے۔ مگر یہ اس کے ساتھ نامناسب ہو گا کہ ہم ذیل میں سے
 اسی طرح کا نتیجہ انہیں حالات کے مطابق ضرور
 اخذ کریں :-

”انکشافاتِ خاص“

دو چار اعداد و کام کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ انہیں کے ساتھ ہی ہم کو ذیل کے حالات بھی موصول ہوئے ہیں۔ جو ہماری اطلاع کے ساتھ مطابقت کرتے ہیں۔

۱۔ مشرقی لنڈن کے بظاہر تندرست اشخاص میں آتشک کا اثر ۴۵۔۲ روز ناچھے اور نقشے جو ڈاکٹر فائیلڈز نے بہرے میں ضخیم وہ ۱۰۰۲ مریضوں کے آبِ خون کے امتحان کا حوالہ پیش کرتے ہیں جو لنڈن شفا خانہ میں سرور دیتے ہیں۔ اور مقرر کئے گئے تھے۔ یہ تجربات ڈاکٹر بلاک نے کئے۔ انکی امراض میں بظاہر آتشک کا کوئی اثر معلوم نہ ہوتا تھا ان مریضوں کی سابقہ طبی سٹری معلوم کرنے کی کوشش کی گئی جس سے انہیں پوزیٹوری ایکشن معلوم ہوا مگر یہ برا خیال کیا گیا اس لئے یہ طریقہ ترک کر دیا گیا۔ ایسوی ۴ مریضوں میں سے ۳ مریضوں میں آتشک کا اثر معلوم ہوا۔
۲۔ آبِ خون کے امتحان کا نتیجہ ذیل میں درج ہے :-

جنس	پوزیٹو		اوسط فیصد
	مریض	ری ایکشن	
ذکور	616	64	10.3
اناث	389	20	5.1

دو مریضوں کو جب بچہ لہ عمر کے گروہوں میں تقسیم کیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ عمر اور آتشک کے مابین کچھ تعلق ضرور ہے۔ مگر ڈیفیسر کارل پیرسن نے ان اعداد کا امتحان حالات کو مد نظر رکھ کر کیا۔ تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ تعلق بہت زیادہ نہیں ہو گیا۔ یاں فرق معلوم کرنے کے لئے اور اس فرق کو تسلی بخش ثابت کرنے کے لئے بہت زیادہ تعداد میں مریضوں کی ضرورت ہے۔

۱۹۶۰ء۔ اگر ان مریضوں کو اس آبادی کے لحاظ سے درمیانہ درجہ کی مثال سمجھ لیا جاوے۔ تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ لندن کی آبادی میں ان علامات کے ماتحت جماعت میں کم از کم ۸ سے ۱۲ فیصدی نوجوان مردوں میں اور ۳ سے ۷ فیصدی نوجوان عورتوں میں آتشک پایا گیا۔ اگر موروٹی آتشک کے مریض ہی ان میں شامل کر لئے جائیں۔ یا ان تمام مریضوں کو جبکہ اسی طریقہ پر آتشک ٹیسٹ کیا گیا۔ جو روزانہ لندن کے شفا خانے میں آتے ہیں شامل کرنے سے یقیناً تعداد اوسط فیصدی بڑھ جاوے۔

دوب۔ ملازموں کے انکشافات جو میڈیکل رپورٹ کے لئے بھیجے گئے۔

۱۹۶۷ء۔ طبی معائنہ سے جو نتائج سر جان کوئی نے اخذ کئے ہیں۔ ۱۹۶۷ء مریضوں کے لئے سواسات ماہ صرف ہوئے جو ضمیمہ ۱۳ میں درج ہیں۔

دو جن مریضوں کا امتحان یا معائنہ کیا گیا وہ تین گروہوں میں تقسیم ہیں۔
 ۱۔ ۱۱۱۹ مریضوں کے معذور ہونے کی تصدیق درکار تھی۔ بڑی حادثہ
 یا بیماری سے ناقابل دریکار ہو گئے تھے۔
 ۲۔ ۵۵۷ آدمی جو بالکل تندرستی کی حالت میں تھے
 جن کا ملازمت کے لئے طبی معائنہ ضروری تھا۔
 ۳۔ ۵۵۰ آدمی اسی دوسری جماعت کے جو واسرمن ٹیسٹ
 (Wassermann test) کے لئے بھیجے گئے۔
 یہ تمام قسم کے معائنے ڈاکٹر ٹائس کی زیر ہدایات
 سٹمل شیفینس (Pathological Laboratory) محلے بری میں
 باحازت خاص لنڈن کی صوبائی کونسل پاگل خانوں کی کمیٹی سے
 کئے گئے۔

درپہلی اور دوسری جماعت میں معائنہ کے بعد ۶۰ مریض
 معلوم ہوئے جنہیں ۴ سوزاک کے تھے یعنی ان میں ۵۸ فیصد
 تناسلی امراض کے مریض تھے۔ تیسرے گروہ میں درج شدہ
 آدمیوں کے آپ فون کے امتحان کے بعد ۶۴ اشخاص میں
 آتشک پایا گیا۔ یعنی ۳۶۔۹ فیصدی۔ سر جان کو لی بیان فرماتے
 ہیں کہ واسرمن ٹیسٹ سب پر یکساں عمل میں لایا گیا۔ پہلی
 اور دوسری جماعت میں تھوڑا۔ مگر آخری گروہ میں تعداد زیادہ
 تھی۔ ۱۰۳ آدمیوں جو حکمہ جہان زانی (Nanny) اور فوج
 (Army) میں تھے۔ ۱۸۰۸۹ فیصدی ماؤف آدمیوں

کا مقابلہ 6 و 02 فیصدی 343 سولین (Sulindac) سے کیا گیا
 معائنہ شدہ آدمیوں کی عمر وسطاً 3 سے 33 سال تھی اور ان
 میں سے قریباً سب شادی شدہ تھے۔ تحقیقات محدود تعداد
 پر کی گئی تھی۔ جنہیں عموماً اعلیٰ طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ معلوم شدہ
 تناسلی امراض کا اثر توقع سے بہت ہی زیادہ معلوم ہوا۔ مگر وہ
 اعداد جو ڈاکٹر فائیلڈز نے معلوم کئے تھے۔ ان سے یہ نتیجہ اخذ نہیں
 کیا جاسکتا۔ کہ وہ بہت خراب حالت کی طرف جارہے تھے۔
 سر جان کو لی بی بی فرماتے ہیں۔ کہ واسرین ری ایکشن مرض کے تیسرے
 درجہ کی نسبت پہلے اور دوسرے درجہ میں زیادہ موزوں ہے اور یہ
 اندازہ لگایا گیا ہے کہ 15 فیصدی پوشیدہ حالات میں پوزیٹو ری ایکشن
 معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ تیسرے درجہ میں پوزیٹو ری ایکشن
 عموماً نمایاں ہوتا ہے۔ اور نیگیٹو ری ایکشن (negative)
 بہت کم اور اکثر اوقات پوزیٹو ری ایکشن دو یا تین لاکھ حاصل کر لیں
 کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ وہ حالات کہ جن سے سر جان کو لی کے
 مشاہدات درج کئے گئے۔ مریضوں کا صرف ایک ہی مرتبہ معائنہ
 ہوا تھا اور یہ ممکن ہے کہ قوم میں نہ معلوم اور پوشیدہ آشک
 کے نقصانات کا اندازہ بہت کم لگایا گیا ہو۔ اتفاقاً جیسا کہ سر جان
 کو لی بیان فرماتے ہیں کہ حنفی اور حنفی قوم کے پہلے اور دوسرے
 گروہ کے ۶۰ مریضوں میں آشک کا اثر بہت
 خطرناک تھا۔

مذکورہ بالا حوالہ جو کشنر کی رپورٹ سے دیا گیا۔ مس میو کی کتاب کے اسی قسم کے مشابہ ہے۔ لیکن اگر تمام قوم کی بابت مس میو کی طرح مردوزن کے نتائج نکالنے شروع کر دیں۔ تو وہ اپنی عقل کے مطابق طبی معائنہ کر اگر دیکھ لیں حالانکہ مس میو کے تمام دعاوی اور بہتان باطل جھوٹے اور بہت ہی کمزور ہیں۔ واقعی مس میو اپنے زعم میں بہت ہوشیار اور عقلمند ہے۔ اور اس کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ وہ کیا کہ رہی ہے۔ اس کی تمام حرکات پر ڈیگنڈا پھیلانیوالی میں۔ مس میو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے۔ کہ ہندوستان ملکی آزادی کے ناقابل اور سوشل کاموں میں برہمنوں سے مغلوب نہ ہونیوالی قوم کی برابری کا اہل نہیں ہے۔

”کدال کدال ہی ہیں“ تمام معاملہ اب برابر ہو گیا۔

اختتام

وہ اس کتاب کے گزشتہ ابواب میں موجود ہند کی بابت زندہ شہادتیں موجود ہیں۔ ان سے آسانی سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ مگر وہ باطل اور متزلزل نہیں کیجا سکتیں۔ مس میو اپنی کتاب مدر اندیا میں لکھتی ہے اور یہی کچھ میں بھارت ماتا (خادر اندیا) کا مصنف کہتا ہوں

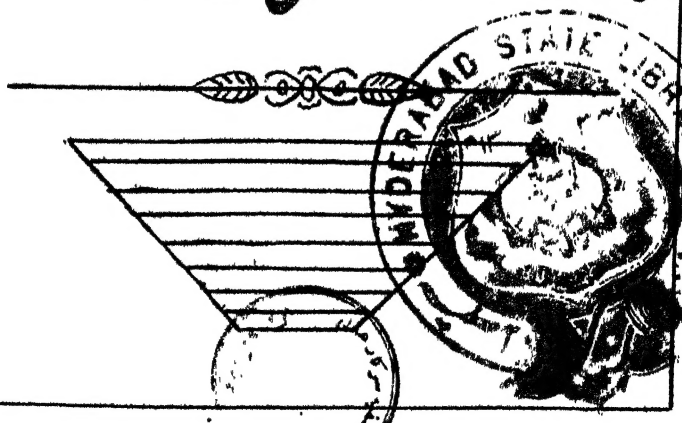
ہم نے تاریخ میں پڑھا ہے۔ کہ گوائی فاکیز نے پارلیمنٹ کو رسوا کرنے کی کوشش کی اور سس میونسپلٹی کی اپنی عیاری کو بہت کچھ کیا۔ تاہم ہندوستانیوں کے قلوب میں سکون ہے۔ ہندوستانی و ناداری تحت شاہی کیساتھ بالکل کامل اور پہلے کی مانند ہے۔ وہی امریکہ سے منحرف ہے۔ وہ چاہتی ہے۔ کہ برطانوی آزاد رعایا کیساتھ دوستانہ روابط مانند کنیڈا کے مقرر کئے جائیں۔

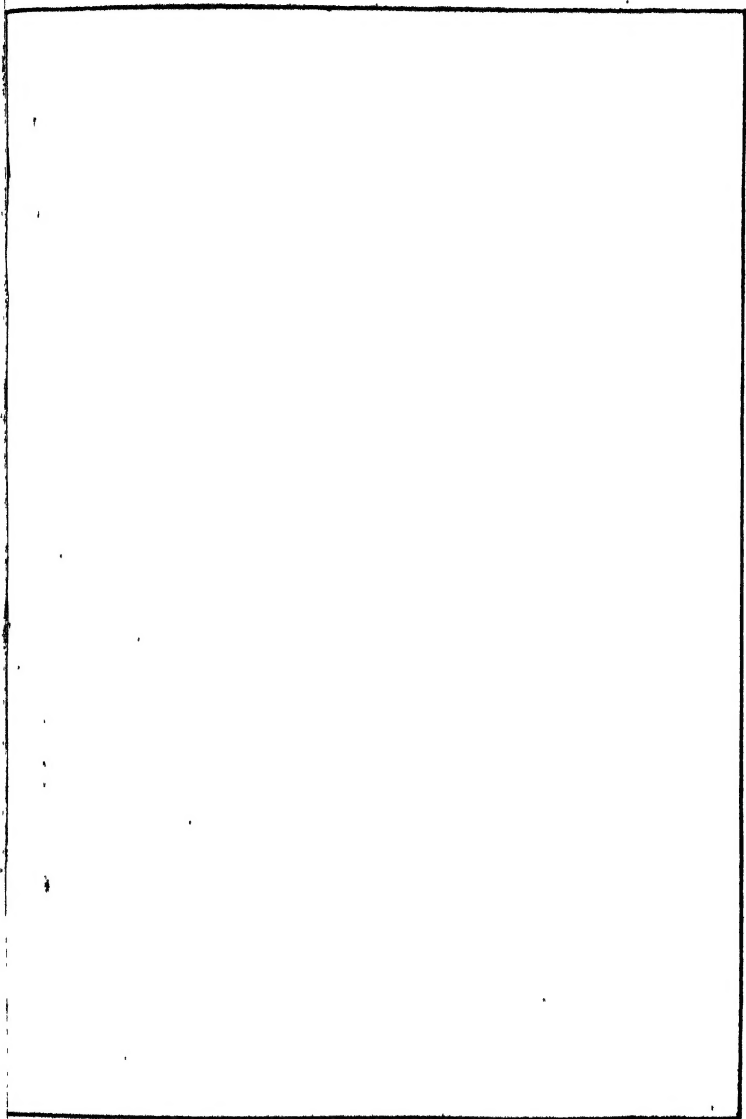
دور بین انگریز حضرات نے بہت عرصہ ہوا۔ اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ ایسا دن آنے والا ہے میکالے نے لکھا ہے :-

”یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کی پبلک کے قلوب ہمارے منظم و نسق کے ماتحت ترقی کریں اور اپنے ارتقا کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جائیں اعلیٰ اور اچھی گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم اپنی رعایا کو دوسری اعلیٰ تر گورنمنٹ کے لئے تعلیم دے سکیں۔ اور انگریزی علم کے ہونے سے مستقبل قریب میں انہیں پہلے انگریزی مجالس کی ضرورت ہوگی۔ ایسا زمانہ آتیگا یا نہیں میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ مگر اس سے باز رہنے کی میں کبھی کوشش نہ کرونگا۔ جب کبھی ایسا زمانہ آیا انگلستان کی تاریخ میں وہ قابلِ فخر زمانہ ہوگا“

سیکالے کا انگلستان ہندوستان کو اس طرح دیکھتا ہے۔
 درانڈیا (بھارت ماتا) کے مطابق ”مشرق مشرق
 ہے۔ اور مغرب مغرب ہے“ مگر بھارت پتا (فادرانڈیا)
 کا یہ مقصد نہیں کہ تمام متعلقہ واقعات کو موجود کینیڈا
 باعث ہو۔ اور کہے کہ مغرب میں سے مشرق کو کیا
 تفریق اور مشرق سے بہت شریف۔

قائم شدہ





ضرورت پینا ہے

ایسے طلاؤں کی جیکے استعمال کے بعد پاؤں وغیرہ باندھنے پڑیں۔ کیونکہ نازک مزاج اصحاب کے لئے یہ مبرا باعث تکلیف ہے اس پر طرفہ پان کا گرم کر کے باندھنا۔ سرد پانی کا پرہیز۔ ان سب تکالیف کو مد فطر رکھتے ہوئے اس فارمیسی نے مدت کے تجربہ کے بعد یہاں ایسا ہو میو پیٹھک طلا ایجاد کیا ہے جس کے استعمال کے بعد نہ پان باندھنے کی ضرورت اور نہ سرد پانی کا پرہیز نہ پھنسی اور آبلے کا خوف۔ بلکہ بغیر کسی نقص اور تکلیف کے رگوں کو چست کر کے ایک زکار رفتہ شخص کو قابل فخر بنادیتا ہے۔ جن اصحاب کے رگ ور پیٹھے کمزور ہوں گے لئے یہ طلا بہت مفید اندرونی استعمال کیلئے حسب علامات دوا دیجاتی ہے۔

قیمت فی شیشی علاوہ محصول ڈاک

اس دواخانہ میں مخصوصہ امراض کا علاج شریطہ کیا جاتا ہے۔ مریض کے مکمل حالات آنے پر دوا ارسال کیجاتی ہے۔ قیمت حسب علامات ۵ روپے سے ۱۰ روپے تک ہے۔ قیمت طلا علیحدہ متصور کریں۔
اس فارمیسی میں ہو میو پیٹھک ادویات کا بہت کافی سٹاک موجود ہے جن میں ہر قسم کی خالص تازہ و زود اثر ادویا اور ہر قسم کا سامان متعلقہ شہادہ دار ملتا ہے ایک دفعہ ضرور آزمائیں
المشہور منیجر رائل ہو میو فارمیسی سارم بڈنگ فوٹو پوچھو

نوٹ خبری

ناظرین کرام کی خدمت

میں عرض ہے کہ جو اصحاب کتاب ہذا
پر یو یو کر کے ارسال فرما کر ہمیں شکوہ
فرماویں گے تو وہ اس کتاب کو اگر دوبارہ
خریدنا چاہیں تو صرف اسے خرید سکتے ہیں *